وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا ترجمان

ماہنامہ وفاق المدارس ملتان

جلد نمبر ۲۲ | شمارہ ۳ | ربیع الاوّل ۱۴۴۶ھ | اکتوبر 2024ء

بیاد

شمس العلماء
حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ

استاذ العلماء
حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

محدث العصر
حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

مفکر اسلام
حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ

جامع المعقول والمنقول
حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

رئیس المحدثین
حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

استاذ المحدثین
حضرت مولانا عبدالرزاق اسکندر رحمۃ اللہ علیہ

سرپرست

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق حقانی مدظلہم
سینئر نائب صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر اعلیٰ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر

مولانا محمد احمد حافظ

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

وفاق المدارس العربیہ پاکستان گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

فون نمبر 061-6514525-6514526-27 فیکس نمبر 061-6539485
Email:wifaqulmadaris@gmial.com web:www.wifaqulmadaris.org

ناشر: حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری ● مطبع: اقرأ اختر پرنٹنگ پریس پرانی غلہ منڈی بوہڑ گیٹ ملتان
شائع کردہ مرکزی دفتر وفاق المدارس العربیہ گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

سپریم کورٹ میں حق کی فتح	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم	۳
عصرِ حاضر میں سیرتِ نبوی ﷺ کی رہنمائی	مولانا اشتیاق احمد قاسمی	۸
رسول اللہ ﷺ کی تاریخِ ولادت کی تحقیق	مولانا مفتی رضاء الحق	۱۶
طبقات فقہائے حنفیہ کا ایک جائزہ	مولانا مفتی عبداللہ فردوس	۲۲
متن حدیث حل کرنے کے بنیادی اصول	مولانا مفتی محمد طارق محمود	۳۲
مدارس کی رجسٹریشن: حقیقت	مولانا مفتی منیب الرحمن	۳۶
مدارس دینیہ نعمت خداوندی	اشفاق اللہ جان ڈاگیوال	۴۲
حضرت مولانا محمد اَنور بدخشانی نوّر اللہ مرقدہ (۱)	صاحبزادہ مولانا طلحہ رحمانی	۴۵
وفاق المدارس العربیہ صوبہ خیبر پختونخوا کی سرگرمیاں	مولانا مفتی سراج الحسن	۵۲
تبصرۂ کتب	محمد احمد حافظ	۵۷
مدرسہ: وہ قطعۂ بہشت، زیارت گاہِ ملائک	محمد فہیم الدین بجنوری	۶۱

سالانہ بدل اشتراک

بیرون ملک امریکہ، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک ۳۰ ڈالر- سعودی عرب، انڈیا اور متحدہ امارات وغیرہ ۲۳ ڈالر- ایران، بنگلہ دیش ۲۰ ڈالر-

اندرون ملک — قیمت: فی شمارہ: 40 روپے، زرسالانہ مع ڈاک خرچ: 540 روپے

سپریم کورٹ میں حق کی فتح

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

سپریم کورٹ مبارک ثانی کیس کے حوالے سے جو صورتحال پیدا ہوگئی تھی اللہ رب العزت کے فضل وکرم سے اس فیصلے کی تصحیح کردی گئی یوں ملک وقوم کو ایک بڑے بحران سے نجات مل گئی اور تاریخ کا قرض بروقت ادا کردیا گیا۔

سپریم کورٹ فیصلے میں جو آئین وقانون، شریعت اسلامی اور حقائق کے منافی شقیں تھیں وہ بھی حذف کردی گئیں جو بلاشبہ ایک بڑی کامیابی، پوری قوم کے لیے فتح مبین اور بہت دانش مندانہ فیصلہ ہے جس کے مستقبل پر دُوررَس اثرات مرتب ہوں گے، ان شاءاللہ!۔جس وقت مبارک ثانی کیس کا آغاز ہوا اس وقت راقم الحروف قرآن بورڈ پنجاب کا چیئرمین تھا چونکہ قران مجید کی توہین وتحریف اور قرآن کریم کے حوالے سے جعل سازی کا معاملہ تھا اور قرآن ایکٹ کی دفعات زیر بحث تھیں لیکن شروع میں تو ایف آئی آر ہی درج نہیں ہورہی تھی؛ اس کے لیے اللہ رب العزت نے مجھے توفیق عطا فرمائی اور خاص طور پر اس وقت کے وزیر اعلیٰ چودھری پرویز الٰہی صاحب نے اس حوالے سے بہت موثر کردار ادا کیا۔

اس موقع پر ہم نے قران بورڈ کے ممبران کی خصوصی کمیٹی بنائی -تھانہ چناب نگر کے ایس ایچ او اور دیگر متعلقہ لوگوں کو قرآن بورڈ کے خصوصی اجلاس میں طلب کیا-تمام حقائق وشواہد اور تفصیلات معلوم کیں جن کا مکمل ریکارڈ اور دستاویزات قرآن بورڈ پنجاب میں موجود ہے- یوں بالکل ابتدا سے ہی مجھے اس سارے معاملے کی تمام جزئیات و تفصیلات کا علم تھا اور ابتداء سے لے کر 22 اگست 2024 کے فیصلے تک اس کیس کے حوالے سے جو نشیب وفراز آئے اور جن جن مراحل سے گزر کر یہ کیس یہاں تک پہنچا اس پر مکمل نظر تھی-اس لیے ہم نے کبھی بھی اس کیس اور اس کے ضمن میں ہونے والے معاملات کے بارے میں غیر حقیقت پسندانہ طرز عمل یا کمزور بنیادوں پر کوئی موقف اختیار نہیں کیا بلکہ مکمل شرح صدر، آثار وقرائن، دلائل وشواہد اور تمام شرعی تعلیمات اور قانونی باریکیوں کو ہمیشہ پیش نظر رکھا اور ہر فورم پر اس کیس کے حوالے سے عدل وانصاف اور توازن سے وہی رائے پیش کی جو حقائق سے مکمل طور پر ہم آہنگ تھی- یہ ایک عام سا کیس تھا اور اس کا فیصلہ ٹرائل کورٹ سے ہونا چاہیے تھا لیکن بدقسمتی سے اس کیس میں مکمل کیس نہیں بلکہ صرف ضمانت کا معاملہ انتہائی تیزی سے تمام لوئر کورٹس کے مراحل عبور کرتا ہوا سپریم کورٹ پہنچ گیا، میڈیا کی زینت بن گیا، عالمی اور بیرونی قوتوں کی نظر میں آ گیا اور جیسا کہ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے کہ ہمارا نظام عدل وانصاف کسی حقیقی

مظلوم کو انصاف دے نہ دے مذہب کی توہین کرنے والوں اور مذہب کے حوالے سے بیرونی قوتوں کے ایماء پر چلنے والوں کے لیے ہمیشہ ہی کوئی نہ کوئی چور راستہ نکال دیا جاتا ہے اور پھر عدل وانصاف اور قانون کے تقاضے پورے کیے بغیر کسی قسم کی سزا ملنے کے بجائے ایسے افراد کو رہا کر کے بیرون ملک بھجوا دیا جاتا ہے۔اس کیس میں بھی یہی ہوا کہ مبارک ثانی کو نہ صرف یہ کہ ضمانت دے دی گئی بلکہ بدقسمتی سے بلا وجہ ضمانت کے معاملے کو اتنا طول دے دیا گیا، اتنا پیچیدہ کر دیا گیا اور اس میں غیر متعلقہ طور پر ایسی مباحث شامل کر دی گئیں جو بالکل ہی غیر ضروری اور غیر متعلقہ تھیں اور اسلامی تعلیمات، قانونی اور دینی حقائق کے سراسر منافی تھیں- مبارک ثانی کیس کا پہلا فیصلہ فروری 2024 میں سنایا گیا جب اس کی تفصیلات سامنے آئیں تو اس پر اعتراضات اٹھنا فطری امر تھا۔

الحمدللہ پاکستان کی مذہبی جماعتوں، اداروں اور شخصیات نے قانونی راستہ اپنایا اور اس فیصلے کے خلاف از خود نظر ثانی اپیل بھی دائر نہیں کی گئی بلکہ پنجاب حکومت سے اپیل کی گئی اور پنجاب حکومت کی طرف سے نظر ثانی اپیل دائر کی گئی۔نظر ثانی کی عدالتی کارروائی سے قبل محترم چیف جسٹس صاحب نے پاکستان کے 10 بڑے اداروں کے نام خطوط لکھ کر ان سے آراء وتجاویز اور ان سے معاونت مانگی- یہ وہ موقع تھا کہ جس میں سیکولر اور لبرل لوگوں کا خیال تھا کہ شاید مختلف اداروں اور شخصیات کی آراء مختلف ہو جائیں گی اور یہ معاملہ مزید پیچیدہ اور متنازعہ ہو جائے گا لیکن اللہ رب العزت حضرت صدر وفاق شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائیں اور ان کا سایہ عافیت کے ساتھ ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھیں، انہوں نے خصوصی اہتمام کیا۔گرامی قدر حضرت مولانا مفتی منیب الرحمن صاحب اور راقم الحروف نے اس حوالے سے خصوصی محنت اور فکر کی-مولانا یاسین ظفر صاحب اور اتحاد تنظیمات مدارس کے ہمارے دیگر رفقاء نے ہمیشہ کی طرح بھرپور ساتھ دیا اور الحمدللہ ہم سب اداروں کی طرف سے سپریم کورٹ میں مشترکہ موقف پیش کرنے میں کامیاب ہوئے۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس مشترکہ موقف کی تحسین وتائید کی جاتی اور اس میں اٹھائے گئے دلائل ونکات کو پیش نظر رکھا جاتا لیکن بدقسمتی سے 29 مئی کو سپریم کورٹ کی طرف سے جو فیصلہ آیا اس میں اس اجتماعی اور مشترکہ موقف کو یکسر نظر انداز کیا گیا۔اس کیس سے دفعہ 298 سی اور 298 بی کو لاتعلق کر دیا گیا۔امتناع قادیانیت آرڈیننس کو نظر انداز کیا گیا اور ایک ایسا فیصلہ آیا جس کی کسی کو توقع نہ تھی جو قانون وشریعت کے بالکل منافی تھا، جس کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہونا فطری امر تھا-اس قسم کے مذہبی کیسز میں میں بارہا جو تجربات ہوئے ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے بالکل واضح طور پر محسوس ہو رہا تھا کہ قادیانیوں کے حوالے سے مغربی اور بیرونی قوتوں کی طرف سے جو دباؤ ہے اس کے زیر اثر یہ فیصلہ آیا۔قادیانیت کے حوالے سے ان بیرونی قوتوں کے مقاصد کی تکمیل حکومتیں نہیں کر پاتیں تو پھر عدلیہ کا کندھا

استعمال کرنے کی کوشش کی جاتی ہے یہاں بھی ایسا ہی ہوا کہ قادیانیوں کو تبلیغی سرگرمیاں اور جعل سازی جاری رکھنے کا جواز مہیا کیا گیا- اس لیے اندرون اور بیرون ملک مسلمانوں میں اضطراب اور اشتعال پیدا ہوا- پوری قوم ہی ورطہ حیرت میں ڈوب گئی۔ دوبارہ سے تمام مکاتب فکر کی سرکردہ شخصیات نے باہم رابطے کیے، سر جوڑ کر بیٹھے، حالات کی نزاکت اور حساسیت کو پیش نظر رکھا۔ مشترکہ موقف کا اظہار کیا۔ سب نے بیک آواز نظر ثانی فیصلے کو مسترد کر دیا اور اس کی منسوخی پر زور دیا گیا۔

چنانچہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام اسلام اباد میں اے پی سی طلب کی گئی۔ میں نے اے پی سی میں شرکت کے لیے ملتان سے خصوصی طور پر سفر کیا اور اے پی سی میں اظہار خیال اور تجاویز پیش کرنے کے لیے الحمدللہ کافی تیاری کی، تمام متعلقہ دستاویزات اور کتب کی ورق گردانی کی۔ قانونی ماہرین سے مشاورت کی اور اس معاملے کے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے اللہ رب العزت کی توفیق سے جو گفتگو کی اسے نہ صرف یہ کہ اے پی سی میں شریک اور موجود قیادت نے خوب سراہا بلکہ ملک بھر میں ائمہ وخطباء نے اسی کی روشنی میں خطبات جمعہ کی تیاری کی اور پورے ملک میں سپریم کورٹ کے فیصلے کے حوالے سے جو فضا بنی اور جو موقف سامنے آیا وہ یہی تھا کہ اس فیصلے پر نظر ثانی ضروری ہے اگر بروقت اس کی تصحیح نہ کی گئی اور اس کے متنازعہ پیراگراف حذف نہ کیے گئے تو ہمیشہ کے لیے قادیانیت کے بارے میں پوری تاریخی اور آئینی جدوجہد غیر موثر ہو کر رہ جائے گی بلکہ قادیانیوں کو اپنی تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھنے کی چھوٹ مل جائے گی۔

اس صورتحال میں 19 اگست 2024ء کو اسلام اباد میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام مشترکہ مظاہرہ کیا گیا جس میں ہمارے رفقاء مولانا قاضی عبدالرشید صاحبؒ، مولانا ظہور احمد علوی صاحب، مولانا نذیر فاروقی صاحب اور اسلام آباد اور راولپنڈی کے دیگر احباب نے خوب محنت کی اور ایک تاریخی، عظیم الشان اور یادگار مظاہرہ ہوا۔ اس دوران پارلیمنٹ میں بھی مختلف جماعتوں کے ممبران کی طرف سے اسلامیان پاکستان کے جذبات کی بہت اچھے انداز میں ترجمانی کی گئی اور ہر سطح اور ہر حوالے سے اس معاملے کو سلجھانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی اللہ رب العزت سے اسے اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں- پارلیمنٹ کی کمیٹی بنی، وفاق پاکستان اور پنجاب حکومت کی طرف سے نظر ثانی اپیلیں دائر کی گئیں اور بالآخر 22 اگست 2024ء اس کی تاریخ سماعت کے لیے مقرر کی گئی، اس موقع پر چیف جسٹس آف پاکستان نے دوبارہ کچھ شخصیات کو سپریم کورٹ کی معاونت اور کارروائی کی سماعت کے لیے مدعو کیا جن میں حضرت صدر وفاق شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب بھی شامل تھے حضرت چونکہ ترکی کے سفر پر تھے اس لیے آپ نے پہلے ہی تحریری طور پر اس فیصلے کی تصحیح کے لیے تجاویز اور مجوزہ تبدیلی کی عبارت ارسال کر دی تھیں لیکن سپریم کورٹ

کی سماعت کے دوران آپ ویڈیو لنک کے ذریعے بھی عدالتی کارروائی میں شامل ہوئے چونکہ حضرت صدر وفاق دامت برکاتہم العالیہ نہ صرف یہ کہ عالم اسلام کی مقبول اور ہر دلعزیز دینی وعلمی شخصیت ہیں بلکہ آپ معروف قانون دان بھی ہیں اور شریعت اپیلٹ بنچ کے جج کے طور پر بھی خدمات سرانجام دے چکے ہیں بلکہ 1974ء میں جب قادیانیت کے حوالے سے قانون سازی ہوئی اور قادیانیت کا معاملہ اسمبلی میں زیر بحث آیا اس وقت بھی امت مسلمہ کی طرف سے جو مشترکہ موقف اسمبلی میں پیش کیا گیا تھا وہ بھی آپ نے اپنے رفیق کار شہید اسلام حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کے ساتھ مل کر مرتب کیا تھا، یوں قانون، تاریخ، شریعت اور پارلیمانی پس منظر پر جیسی گرفت اور نظر آپ رکھتے ہیں ایسی شاید ہی کسی اور کی ہو، یہی وجہ ہے کہ فیصلے میں جو تصحیح کی گئی وہ مِن وعَن وہی تھی جو حضرت دامت برکاتہم العالیہ نے مختصر اور جامع انداز سے تجویز کی تھی۔ سپریم کورٹ میں نظر ثانی اپیل کی سماعت کے موقع پر دیگر کئی اہم شخصیات اور ان کے نمائندوں کے علاوہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اپنے رفقاء سمیت بنفس نفیس عدالت پہنچے۔ مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی سپریم کورٹ میں حاضری کو غیر معمولی اہمیت دی گئی۔ مولانا پوری کارروائی کے دوران سپریم کورٹ میں موجود رہے۔ آپ اور دیگر قائدین نے شیخ الاسلام مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب کے موقف اور پیش کردہ تجاویز کی تائید و حمایت کی اور محترم چیف جسٹس صاحب نے بھی بڑے کھلے دل اور واضح لفظوں میں نہ صرف یہ کہ اپنی غلطی کو تسلیم کیا بلکہ اس کی تصحیح کر کے تاریخ میں ہمیشہ کے لیے سرخرو ہو گئے۔ آپ نے تاکیداً یہ حکم نامہ جاری کیا کہ اس فیصلے سے جو شقیں اور دفعات حذف کیے گئے انہیں کبھی بھی نظیر کے طور پر بھی پیش نہیں کیا جائے گا۔

یوں اللہ ربّ العزت کے فضل وکرم سے ستمبر 1974ء میں پارلیمنٹ میں اہل اسلام نے جس طرح ختم نبوت کا مقدمہ جیتا اس کے ٹھیک پچاس برس بعد سپریم کورٹ سے بھی ختم نبوت اور حق کا معرکہ جیت لیا-اس معاملے میں جس جس نے بھی کردار ادا کیا خاص طور پر مقدمہ کی پیروی کرنے والے حسن معاویہ اور ان کے رفقاء، بعد ازاں مختلف مراحل پر جن جن لوگوں نے اس عمل میں جس شکل میں بھی حصہ لیا خاص طور پر محترم چیف جسٹس اور پنجاب اور وفاق حکومت کا بہت شکریہ۔ اللہ ربّ العزت سب کو اپنی شان کے مطابق جزائے خیر عطا فرمائیں، آمین۔ کچھ لوگ اس معاملے کو طول دے کر تماشہ دیکھنا چاہتے تھے اور پاکستان میں دی اسلامائزیشن اور اسلامی قوانین کو غیر موثر بنانے کی کوششوں کی طرف پیش رفت کے طور پر اس معاملے کو دیکھ رہے تھے لیکن جب ان کی آرزوئیں خاک ہوئیں تو وہ بہت بری طرح پیچ وتاب کھا رہے ہیں؛ ان کے لیے قرآنی الفاظ میں "قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ" ہی کہا جا سکتا ہے لیکن اللہ کریم نے ہمیشہ کہ طرح پاکستان، پاکستان کے اسلامی آئین، پاکستان کے مذہبی تشخص اور ختم نبوت کا پرچم مزید بلند کیا اللہ پاک اس ملک کو قائم ودائم رکھیں اور صحیح معنوں میں اسلام کا قلعہ بنائیں (آمین)۔

حضرت مولانا قاضی عبدالرشید کی رحلت

وفاق المدارس العربیہ پاکستان صوبہ پنجاب کے ناظم ورکن مرکزی مجلس عاملہ مولانا قاضی عبدالرشید صاحب 22 صفرالمظفر 1446ھ/ 28/اگست 2024 بدھ کی رات عین تہجد کے وقت حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال کر گئے؛ اِنا للہ وانا الیہ راجعون، رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔ آپ کچھ عرصہ سے عارضہ قلب میں مبتلا تھے، یہی عارضہ جان لیوا ثابت ہوا؛ اور پاکستان کے دینی حلقے خصوصاً راولپنڈی اسلام آباد کے دینی طبقات اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان ایک جہاندیدہ، زیرک اور متحرک شخصیت سے محروم ہو گئے۔ آپ نے بڑی عمر میں ملک کی معروف دینی درسگاہ جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی میں داخلہ لیا تھا۔ 1988ء میں امتیازی نمبروں کے ساتھ درس نظامی کے تعلیمی مراحل سے فارغ ہوئے۔ رئیس المحدثین حضرت مولانا سلیم اللہ خان نور اللہ مرقدہ کے شاگرد خاص اور معتمد تھے۔ تعلیمی مراحل سے فراغت کے بعد جامعہ فریدیہ اسلام آباد میں تدریس سے عملی زندگی کا آغاز کیا۔ 1992ء دھمیال کیمپ راولپنڈی میں جامعہ دارالعلوم فاروقیہ کی بنیاد رکھی، آپ کی شبانہ روز محنت وکاوش سے آپ کا قائم کردہ ادارہ آج ملک کی معروف دینی، تعلیمی وتربیتی درسگاہ بن چکا ہے۔ آپ نے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے لیے پہلے مسؤل کی حیثیت سے خدمات انجام دیں؛ پھر بطور ''ناظم وفاق المدارس پنجاب'' کی حیثیت سے تادم آخر اپنی ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔ آپ نے مرکزی مجلس عاملہ کے رکن کی حیثیت سے بھی وفاق المدارس میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ اپنے بیانات اور خطابات میں ہمیشہ وفاق المدارس اور دینی مدارس کا مقدمہ نہایت مدلل انداز میں خوبصورتی کے ساتھ پیش کرتے۔ 22 صفرالمظفر کی صبح سحری کے وقت دل کی شدید تکلیف ہوئی، آپ کو فوراً مقامی ہسپتال لے جایا گیا؛ لیکن داعی اَجل آچکا تھا، جانبر نہ ہو سکے اور آپ اس کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے ہمیشہ کے لیے اِس دنیا س رخصت ہو گئے۔ آپ کے انتقال کی خبر سے ملک بھر کے دینی حلقوں میں فضا سوگوار ہو گئی۔ مولانا قاضی عبدالرشید رحمہ اللہ کی دینی وتعلیمی جدوجہد خصوصاً وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے لیے اَن تھک خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ وفاق المدارس العربیہ کے صدر شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم نے آپ کے صاحبزادے سے خصوصی طور پر تعزیت فرمائی، ناظم اعلیٰ وفاق المدارس حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم اپنے دیرینہ رفیق کی نماز جنازہ اور تدفین میں شریک ہوئے اور اس موقع پر حضرت مولانا قاضی عبدالرشید صاحب کو خراج عقیدت پیش کیا۔ وفاق المدارس کے قائدین کی جانب سے ملک بھر کی مساجد ومدارس کے ذمہ داران اور تمام مسلمانوں سے حضرت قاضی صاحب مرحوم کے درجات کی بلندی کے لیے خصوصی دعاؤں کا اہتمام کرنے کی اپیل ہے۔

عصرِ حاضر میں سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی

مولانا اشتیاق احمد قاسمی

آج کا دَور ترقی یافتہ کہلاتا ہے، ہر گوشہ زندگی میں نت نئی ایجادات ہورہی ہیں، جدید اکتشافات کے سامنے عقل و خرد محوِ حیرت ہے، آج دُنیا کی دُوری ختم ہوچکی ہے، ذرائع ابلاغ اور وسائل نقل وحمل نے ترقی کرکے سالوں اور مہینوں کے کام دِنوں گھنٹوں اور منٹوں میں ممکن کردیئے ہیں، پہلے کے بالمقابل آج مال ودولت کی بھی کمی نہیں رہی، حقیقت میں آج زمین سونا اُگل رہی ہے، سمندروں نے اپنی تہوں سے ہیرے، موتی اور جواہر پارے "سواحلِ انسانی" پر لاکر رکھ دیئے ہیں؛ مگر سارے اسباب ووسائل کے باوجود آج لوگوں کو سکون وطمانینت حاصل نہیں، ایک دائمی بے اطمینانی ہے، جو سب پر مسلط ہے، ہر طرف ظلم وستم کی گرم بازاری ہے، آئے دن فسادات اور قتل وغارت گری ہورہی ہے، نت نئے فتنے جنم لے رہے ہیں، فتنوں کا نہ تھمنے والا سیلاب امڈتا چلا آرہا ہے، جس طرف دیکھئے اختلاف ہی اختلاف ہے، بین الاقوامی اختلاف، فرقہ واری اختلاف، سیاسی پارٹیوں کا اختلاف، خاندان کا اختلاف، گھر اور افراد کا اختلاف اور نہ جانے کون کون سے اختلافات ہر سو رونما ہورہے ہیں۔ ہر آدمی ایک دوسرے سے مختلف ومنحرف نظر آرہا ہے۔ خودغرضی عام ہورہی ہے، اخلاق و پاک دامنی کا فقدان ہے، شرافت و امانت ناپید ہورہی ہے، امن وآشتی اور سکون وعافیت مفقود ہوتی چلی جارہی ہے۔ کون سی ایسی برائی ہے جس کا تصور کیا جائے اور وہ معاشرے میں موجود نہیں، زِنا اور شراب نوشی عام ہے۔ سود اور سودی کاروبار ہر گھر میں پہنچ چکا ہے، جوا اور سٹہ بازی کی نئی نئی شکلیں اختیار کی جارہی ہیں، دختر کشی بلکہ نسل کشی ایک فیشن بن گئی ہے۔ آج کے اِس دَور کو کون سا دَور کہیں گے؟ فتنوں کا دَور! گناہوں کا دَور! بے حیائی اور بے لگامی کا دَور! خودسری اور خودغرضی کا دَور! شیطانی دَور! یاجوج یاماجوج دَور! سمجھ میں نہیں آتا کہ عصرِ حاضر کو کیا نام دیا جائے؟ دَورِ حاضر دَورِ جاہلیت کی طرف تیزی سے رَواں دَواں ہے؛ بلکہ بعض لحاظ سے اِس سے بھی آگے جاچکا ہے۔ اِن جملہ خرابیوں کو دُور کرنے اور اِن پر قابو یافتہ ہونے کی سارے عالم میں کوششیں کی جارہی ہیں؛ لیکن کوئی کوشش کامیاب ہوتی نظر نہیں آتی۔ نئی نئی تجاویز روبہ عمل آکر فیل ہورہی ہیں؛ تعمیر کے بجائے تخریب کا باعث بن رہی ہیں، یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، ہونا بھی یہی چاہئے؛ اِس لیے کہ اِن جملہ خرافات، بے اطمینانی اور بے چینی پر قابو پانے کے لیے محض انسانی تدبیریں اختیار کی جارہی ہیں۔ اور انسانی تدبیریں پورے طور پر کامیاب ہی کب ہوتی ہیں؟۔

آج ضرورت ہے اُن تدبیروں کی اور نسخۂ کیمیا کی جو نبیٔ اُمی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھٹکی ہوئی انسانیت کے لیے

استعمال کیا تھا۔ یہ خالقِ کائنات کا عطا کردہ نسخہ تھا، جس نے گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں پھنسی ہوئی انسانیت کو روشن شاہ راہ پر لا کھڑا کر دیا۔ جس نے بدترین خلائق کو بہترین خلائق بنا دیا اور جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا۔

عصر حاضر کے مذہبی اختلاف میں سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی:

عالمی پیمانے پر اتحاد واتفاق قائم کرنے کی ضرورت آج سب سے زیادہ محسوس کی جارہی ہے۔ آج کوئی ایسا اقتدار نہیں جس کو سب لوگ تسلیم کریں، جس کی سب اطاعت کریں، کسی متفقہ اقتدار کا نہ ہونا، آج کی سب سے بڑی کمی ہے، ایک قوم دوسری قوم کو دیکھنا نہیں چاہتی، مختلف قسم کے معاہدے ہوتے ہیں اور ٹوٹ جاتے ہیں، ان کے حل کے لیے اگر یہ سوچا جائے کہ کسی ایک انسان کی حاکمیت پر سارے لوگ متفق ہوجائیں، ہر ایک اِس کی اتباع کریں، تو ایسا فطری طور پر ناممکن ہے؛ اس لیے کہ آج ہر قوم دوسری قوم کی مخالف ہے، تو جس انسان کا بھی انتخاب ہوگا وہ کسی ایک قوم کا فرد ہوگا، اس ایک پر اگر اتفاق سے اپنی قوم متفق ہوگئی تو دوسری اقوام کو متفق کرنا آسان نہیں، پھر یہ کہ انسان نفسانی اغراض اور ذاتی خواہشات سے پاک نہیں ہوتا، وہ سارے فوائد اپنے لیے، اپنے خاندان، اپنے فرقے اور اپنی قوم کے لیے سمیٹ لے گا، دوسرے لوگ محروم اور منہ تکتے رہ جائیں گے۔ اِس طرح انصاف کی جگہ ظلم اور مساوات کی جگہ بے اعتدالیوں کی حکومت ہوگی۔ کسی آدمی کا علم اتنا وسیع نہیں ہوسکتا کہ ہر انسان کی ضروریات معلوم کر سکے۔ اصلاح وفلاح کی صورتوں سے واقف ہو، ہر ایک کی فطرت کو جانتا ہو؛ اِس لیے وسیع ترین علم نہ ہونے کی وجہ سے وہ جگہ جگہ ٹھوکریں کھائے گا، اور پوری انسانی آبادی کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کر دے گا؛ اس لیے کسی انسان پر پوری نوعِ انسانیت کا متفق ہونا ناممکن اور لاحاصل ہے۔

اِس اختلاف کے ختم کرنے کی ایک دوسری شکل بھی ممکن نہیں کہ ساری انسانیت مل کر کسی ایک اِدارہ کی حاکمیت کو تسلیم کر لے، اُس کے ہر حکم کو من وعن مان لے، کوئی اِدارہ سارے انسانوں کو اپنی اطاعت پر مجبور نہیں کر سکتا، اور نہ ہی ایسا متفقہ قانون بنا سکتا ہے، جس میں ہر ایک کی فطری ضرورتوں کا پورا لحاظ اور قانون ایسا عزیز بلکہ ہر دِل عزیز ہو کہ سارے لوگ اس کو جان ودل سے ماننے لگیں۔ بالآخر یہ اختلاف وانتشار ختم نہیں ہوگا؛ بلکہ لازمی طور پر اس اِدارے میں جس قوم کی نمائندگی زیادہ ہوگی، اِدارہ اس کے لیے بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائے گا۔ وہ اُس کی آڑ میں اپنے اُلّو سیدھا کرنے میں مشغول ومصروف رہیں گے۔ دُنیا میں جتنے اِدارے عالمی پیمانے پر قائم ہوئے اُن سب کا حال یہی ہوا، آج اِس کی واضح مثال عالمی تنظیم "اقوامِ متحدہ" ہے۔

لہٰذا آج اختلاف حل کرنے کے لیے وہی کرنا ناگزیز ہے جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، آپ نے اختلاف وانتشار سے تباہ دُنیا کو متحد کر کے عملی مثال پیش کر دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا کو بتا دیا کہ اے انسانو!

کسی انسان یا کسی اِدارے کی حاکمیت کوتسلیم کرنے کے بجائے ایک ایسی ذات کی حاکمیت کوتسلیم کرلوجس نے سارے انسانوں اور اِداروں کوجنم دیا ہے۔ جوخالقِ ارض وسماوات اور "خالق الحب والنویٰ" ہے۔اُسی نے سارے انسانوں کو پیدا کیا وہی اُن کا پالنہار ہے، وہی سب کی زندگی اور موت کا مالک ہے۔ وہ ہرایک کی فطری ضرورتوں سے واقف ہے، ہرایک کورزق وہی پہنچاتا ہے، اُسی کی دُنیا اُسی کا عقبیٰ ہے، وہی نظامِ عالم کا نگراں اور مدبّر ومنتظم ہے۔"اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ" (الاعراف: ۵۴) وہی کائنات کا حقیقی فرماں روا ہے، اُسی کی حاکمیت کوتسلیم کرنے میں بھلائی ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی "دعوتِ توحید" کو جوق در جوق افرادِ انسانی نے قبول کیا، مذہبی اختلافات کے ختم کرنے کا یہ سب سے بڑا مشترکہ پلیٹ فارم ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس وقت کے اہلِ کتاب، یہود ونصاریٰ کوتوحید پر متحد ہوجانے کی دعوت دی اور بحکم خدا ارشاد فرمایا:

"يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ" (آل عمران: ۶۴)

ترجمہ: "یعنی اے اہلِ کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اورتمہارے درمیان (مسلّم اور) برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اوراللہ کے ساتھ کسی کوشریک نہ ٹھہرائیں، اورہم میں سے کوئی اللہ کوچھوڑ کرکسی دوسرے کورب قرار نہ دے۔"

اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کے درمیان مذہبی اختلاف کوختم کرنے کی کوشش فرمائی، آج سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے انسانیت کو یہ رہنمائی مل رہی ہے کہ اے بنی آدم! دہریت اورخدا کے انکار کوچھوڑ کروحدہ رضی اللہ عنہن لاشریک لہ پرایمان لے آؤ، سارے انسان مل کربس اُسی کی رسّی کوتھام لو، اُسی میں امن وسکون اور طمانیتِ قلبی ہے، اِس کے علاوہ کسی غیر کوتسلیم کرکے قلوب کوراحت نصیب نہیں ہوسکتی۔

"وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا" (آل عمران: ۱۰۳)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو باہم متفق ہوکر پکڑے رہواورآپس میں اختلاف نہ کرو"

توحید کی رسّی ہی ایک ایسی رسّی ہے جس نے عرب کی آپس کی دُشمنی اوررسّہ کشی کوختم کرکے سب کے دِلوں کوجوڑ دیا، اورسارے لوگ بھائی بھائی ہوگئے، ورنہ سب کے سب جہنم رسید ہونے والے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا" (آل عمران: ۱۰۳)

ترجمہ: "اورتم پر جواللہ کا انعام ہے اُس کو یاد کرو جب کہ تم لوگ آپس میں ایک دُوسرے کے دُشمن تھے، لیکن اللہ

تعالیٰ نے تمہارے دِلوں میں اُلفت پیدا کردی؛ چنانچہ تم لوگ اللہ کی نعمت سے بھائی بھائی ہوگئے، حالانکہ تم لوگ جہنم کے گڑھے کے کنارے پر تھے کہ اللہ نے تمہاری جان بچالی"۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ اُس اللہ نے ایک قانونی کتاب نازل فرمائی ہے، جس قانون میں ہر ایک کی مصلحت کی رعایت ہے، اُس کتاب پر عمل کرنے میں مرنے سے پہلے اور مرنے کے بعد دونوں زندگیوں میں سکون وراحت ہے؛ چنانچہ اطرافِ عالم سے جُوق در جُوق انسانوں کی بھیڑ نے اُس قانون کو تسلیم کیا، جب وہ قانون روبہ عمل لایا گیا تو دُنیا کو اضطراب سے راحت ملی، بے کل مریضوں کو جس نسخہ سے صدفی صد فائدہ ہوسکتا تھا وہ نسخہ مل گیا، اُس قانون میں گذشتہ نازل کردہ قوانین کی رعایت رکھی گئی تھی، جس طرح ڈاکٹر کے بنائے ہوئے بعد کے نسخے میں گذشتہ نسخوں کی دواؤں کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ بعد کے نسخوں سے گذشتہ نسخہ منسوخ ہوجاتا ہے، اِسی طرح یہ آخری نسخہ قانون ہے اور جس طرح ہر کتاب کے ساتھ ایک سمجھانے اور تشریح کرنے والا بھیجا جاتا رہا ہے، میں بھی اِس آخری کتاب کی تشریح کے لیے بھیجا گیا ہوں، اِس کتاب اور میری تفسیر میں دُنیا کے لیے راحت ہے، اِسی کے ذریعہ دُنیا میں امن وامان قائم ہوسکتا ہے؛ چنانچہ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کی، جس سے دُنیا نے سکون کا سانس لیا۔ مذہبی اختلافات بڑی حد تک ختم ہوئے، دُنیا نے اُس قانون کو نافذ کرکے آزمایا، آج بھی اُسی دعوت کو عام کرنے کی ضرورت ہے، آج کی دُنیا پیاسی ہے، دعوتِ توحید کی، دعوتِ رسالت اور دعوتِ ایمان کی! کیا ہے کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ دعوت کو اپنانے والا؟ تاکہ بھٹکی ہوئی انسانیت راہِ راست پر آجائے اور پھر سے انسانوں میں ایک باپ کے بیٹے اور ایک خدا کے بندے ہونے کی سمجھ پیدا ہو؟۔

قومی ونسلی اختلافات میں سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی:

پہلے کی طرح آج بھی لوگ قومی تفاخر اور نسلی اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں۔ کالے گوروں کا اختلاف، علاقے، علاقے کا اختلاف، ملکی اور غیر ملکی امتیاز، اِن تمام اختلافات وامتیازات کی وجہ سے جو پریشانی پہلے تھی اِس سے کہیں زیادہ آج ہے، پہلے تو دُنیا کی قومیں الگ تھیں، لیکن آج دُوری نزدیکی میں بدل گئی، پوری دُنیا ایک خاندان اور گھر کی طرح ہوگئی ہے؛ اِس لیے آج بھی اُن امتیازات کو ہٹا کر ہی سکون کا سانس لیا جاسکتا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اِس طرح تفاخر وامتیاز سے پیدا ہونے والے نقصانات سے خوب واقف تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو جڑ سے ختم کرنے کا اعلان فرمادیا اور انسانوں کو سبق دیا کہ دیکھو تم سب ایک خالق کی مخلوق ہو، ایک اللہ کے پجاری ہو؛ اِس لیے اختلافات وامتیازات کو ختم کرو اور یاد کرو کہ تم سب ایک ہی باپ کی اولاد ہو اور تمہارے باپ مٹی سے پیدا کیے گئے، مٹی میں تواضع، انکساری اور فروتنی ہوتی ہے تم سب بھائی بھائی بن کر رہو، کالے گوروں میں سے کسی کو

کسی پر فضیلت نہیں، عربی اور غیر عربی ہونا ہی کوئی امتیاز وتفوق کی بات نہیں، ہاں تفوق اور برتری تقویٰ کی بنیاد پر قائم ہوسکتی ہے۔ (حجۃ الوداع کا خطبہ) تم میں سب سے زیادہ اللہ کو محبوب وہ شخص ہے جو سب سے بڑا پرہیزگار، متقی اور محتاط ہے۔ (سورۂ حجرات: ۱۳)

غور کیجئے کہ جس ماحول میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی وہ چھوٹی سی تعداد میں ہونے کے باوجود درجنوں قبیلوں میں منقسم تھا، پھر ہر قبیلے کے مختلف ٹکڑے تھے اور ہر ایک کے مختلف خاندان اور کنبے تھے۔ ہر ایک اپنا امتیاز رکھتا تھا، سب آپس میں دست وگریباں تھے اُن کے اندر سے امتیاز وتفاخر اور تفوق برتنے کے سارے جرائم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ختم کردیا، وہ سب کے سب بھائی بھائی ہوگئے، جہاں گئے وہاں اُسی تعلیم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو عام کیا، اِس طرح ایک عالم گیر برادری اور ہمہ گیر اخوت وجود میں آگئی، ہر فرد ایک دوسرے سے اِس طرح جڑا محسوس کرتا تھا، جس طرح جسم کے اعضاء ایک دوسرے سے ملے ہوتے ہیں، آج بھی اُسی تعلیم کو عام کرنے سے یہ نتائج برآمد ہوسکتے ہیں، انسانیت کا اختلاف اور تصادم یقینی طور پر ختم ہوسکتا ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی اور مدنی زندگی سے عصر حاضر میں رہنمائی:

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عالم گیر ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری دُنیا کے لیے چراغِ راہ بن کر تشریف لائے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سیرت وسنت کو سامنے رکھ کر دُنیا راہ یاب ہوسکتی ہے، ہر طرح کے مسائل کا حل آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اتباع میں مضمر ہے، جملہ خرافات ومصائب سے نجات کا "نسخۂ کیمیاء" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی مل سکتا ہے، اگر کوئی شخص غیر مسلم اکثریت والے ملک میں رہ رہا ہے تو اُس کو دعوت وتبلیغ کے لیے کیا طریقہ اپنانا چاہیے؟ عائلی قوانین اور پرسنل لاء پر وہ کس طرح عمل کرے؟ اپنے نزاعی معاملے کس طرح حل کرے؟ غیر مسلموں کے ساتھ کیسا سلوک کرے؟ وغیرہ، اِن سارے سوالوں کا جواب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں ملے گا، اِسی میں یہ درس بھی موجود ہے کہ اگر آج کوئی شخص ایسی جگہ رہ رہا ہے جہاں سارے جتن کے بعد بھی اِسلام کے احکام پر عمل نہیں کرسکتا تو وہ وطن کے مقابلے میں دین کو ترجیح دیتے ہوئے اپنے وطن اور گھر بار سب کو خیر باد کہہ دے اور اپنی سکت اور کوشش کے مطابق دُنیا کی ایسی جگہ کو وطن بنائے جہاں اِسلام پر عمل کرنے کی پوری اجازت ہو، احکامِ اِسلام کے نفاذ میں کوئی شئے مانع نہ ہو، آج ہجرت پر عمل کرنا پیچیدہ ضرور ہے، لیکن ناممکن نہیں۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب کفار نے صرف ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کی وجہ سے اپنے محبوب وطن مکہ مکرمہ میں ستانا شروع کیا اور ناقابلِ برداشت اذیتیں پہنچائیں، جان کے درپے ہوگئے؛ تو ایسی صورت میں دین کی حفاظت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت

دی، اِس کے بعد مدینہ کی؛ اخیر میں اپنے رفیقِ غار صدیق وغمگسار کے ساتھ بہ نفس نفیس ہجرت کی، دین اور ایمان کی حفاظت کے لیے مال و دولت، عزیز واقارب اور گھر بار ہر ایک کو قربان کر دیا، آج بھی دُنیا کے کسی کونے میں مسلمانوں کی یہ حالت ہوجائے تو اُس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ عمل کے لیے موجود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ جانے کے بعد وہاں بسنے والے قبائل اَوس اور خزرج اور یہود ونصاریٰ سے معاہدات کیے، آپسی تعاون وتناصر اور رواداری کے دستاویزات مرتب کیے، پھر اپنی تحریک دعوت وتبلیغ کو تیز تر کیا، آہستہ آہستہ لوگ اِسلام میں داخل ہوتے گئے، پھر کیا تھا کہ چند برسوں میں سارا عرب کلمہ "لا الٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ" کا قائل ہوگیا۔ ہر جگہ امن وامان پھیل گیا، وہ جنگجو قومیں جن کا کام ہی قتل وغارت گری تھا، جنگ سے کبھی تنگ نہ آئی تھیں، آپسی چپقلش کا نہ ٹوٹنے والا سلسلہ رکھتی تھیں، سب شیر وشکر کی طرح مل گئیں، سب ایک دوسرے کے دوست ہوگئے۔ ع ''جو نہ تھے خود راہ پر اَوروں کے ہادی بن گئے''

رسولِ مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے آج بھی یہ سبق ملتا ہے غیر مسلموں سے معاہدات کرنا درست اور جائز ہے، دعوت وتبلیغ کے لیے سب سے پہلے ماحول سازگار کرنا ضروری ہے۔ اِسی کے ساتھ احکامِ الٰہی کے نفاذ کی کوشش میں لگے رہنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، اِسی طرح مخالف ماحول موافق ہوسکتا ہے، آج کا دَور اشاعتِ اسلام کے لیے نہایت موزوں دَور ہے، عام لوگوں میں معقولیت پسندی پہلے کی بہ نسبت زیادہ ہے، اگر آج اِسلام کا صحیح تعارف کرایا جائے، اِس کے لیے سارے جائز وسائل استعمال کیے جائیں تو پھر۔ ع

یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

آج دُنیا بے راہ روی، ظلم وستم، بے کیفی اور بے اطمینانی سے عاجز آچکی ہے۔ اِس کو تلاش ہے کسی صحیح منزل کی، امن وآشتی کی، اطمینان اور سکون کی، اِسلام میں یہ سب کچھ موجود ہے۔ صرف ضرورت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشن کے اپنانے کی۔ رسولِ مکی ومدنی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی اتباع کی۔

مکمل احکامِ اسلام کا نفاذ عہدِ حاضر کی ناگزیر ضرورت:

روز بروز فسادات ہورہے ہیں، قتل ایک آسان کام، غارت گری اور لوٹ گھسوٹ دولت کمانے کا ذریعہ ہوگیا ہے، زنا اور شراب نوشی عام ہے، ایک دُوسرے پر تہمت لگانا کوئی اہم بات نہیں، رشوت اور سود خوری دُنیا کی ضرورت میں داخل ہوگئی ہے، آئے دن اغوا کے واقعات پیش آرہے ہیں۔ اِس طرح کے اور بھی سرکشیاں پھیلی ہوئی ہیں؛ ان سب کا علاج اسلامی احکام کا نفاذ ہے۔ ضرورت ہے کہ آج قتل کرنے والے پر قصاص اور دیت کے احکام جاری ہوں تب ہی قتل کے اَن گنت واردات پر قابو یافتہ ہوا جاسکتا ہے، حدِ زنا کے نفاذ سے ہی زنا جیسی گندی اور فحش

کرتوت کا خاتمہ ہوسکتا ہے، حدسرقہ کے نفاذ سے ہی چوری کے واقعات پر قابو یافتہ ہوا جاسکتا ہے۔ آج اگر حدقذف نافذ ہوتب ہی تہمت لگانے والوں کی زبان پر تالا لگ سکتا ہے، غرض یہ کہ دُنیا میں امن وامان اور سکون واطمینان کا ماحول پیدا کرنے کے لیے روئے زمین پر حدود وقصاص اور تعذیراتِ اسلامی کا نافذ ہونا ضروری ہے، آج عملاً دُنیا اسی کا انتظار کررہی ہے، اگر قاتل کو یہ معلوم ہو کہ ہمیں قتل کرنے کے جرم میں قتل کردیا جائے گا تو یقیناً قتل سے پہلے وہ سوچنے پر مجبور ہوگا، ہاتھ کانپنے لگیں گے، دِل لرزنے لگے گا اور قاتل اپنی جان بچانے کے لیے ایسے قتل کی ہمت نہیں کرے گا، اِس طرح اُس آدمی کی بھی زندگی بچ جائے گی جس کے قتل کا ارادہ قاتل نے کیا تھا اور روئے زمین پر انسان اور انسانیت کی قدر بڑھ جائے گی، زندگی کی قیمت میں اضافہ ہوگا، اِسی لیے قرآن نے کہا ہے:

"وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ" (سورہ بقرہ:۱۷۹)

ترجمہ: ''اے اہل خرد! قصاص (کے احکام کے نفاذ) میں تمہارے لئے زندگی ہے؛ تاکہ تم لوگ اختیار اور پرہیز کرنے لگو۔''

اگر چور کو معلوم ہو کہ چوری پر ہاتھ کاٹ دیا جائے گا تو چوری کرتے وقت اُس کے ہاتھ کانپ جائیں گے اور وہ چوری سے باز آجائے گا، اِس طرح چوری سے روئے زمین پاک ہوگی، لوگوں کو جان کے ساتھ اُن کے مال کی حفاظت کا ایک ماحول بن جائے گا۔ زانی کو اگر یہ معلوم ہوجائے کہ زنا کی سزا میں سوکوڑے لگائے جائیں گے۔ (سورۂ نور:۲) یا پتھروں سے چور چور کر ہلاک کردیا جائیگا۔ (بخاری:۱/۲۷۶) تو ہرگز زنا کا ارتکاب نہیں کرے گا، اس طرح روئے زمین پر عفت و پاک دامنی کا دَور دَورہ ہوگا، غرض یہ کہ آج کی دُنیا کو سکون اُنھیں قوانین کے نفاذ کے بعد مل سکتا ہے؛ جن قوانین کو نافذ کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روئے زمین پر امن وامان پھیلایا تھا اور پریشان ماحول کو سکون فراہم کیا تھا، دوسرے قوانین میں وہ جامعیت اور گرفت نہیں ہوسکتی جو اللہ کے قوانین میں ہے، قوانین تیار کرنے کے لیے عقولِ انسانی کافی نہیں ہیں۔ وہ آج کوئی قانون بناتے ہیں کل ہوکر اُس کی غلطی واضح ہوجاتی ہے، ردوبدل کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ چلتا رہتا ہے اور چلتا رہے گا، تبھی تو اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر امن وامان اور سکون وعافیت پھیلانے والے قوانین خود وضع کیے، کسی انسان حتیٰ کہ کسی نبی کے بھی سپرد نہیں کیا۔

حقوق کے معاملہ میں عام طور سے بے اعتدالی ہوسکتی تھی؛ بلکہ ہوئی ہے؛ اس لیے اللہ تعالیٰ نے والدین کے حقوق، میراث میں ورثا کے حقوق، میاں بیوی کے حقوق وغیرہ کو خود سے بیان فرمادیا؛ تاکہ بالاتفاق نوع انسانی اُن قوانین کو تسلیم کرلے اور روئے زمین پر حق تلفیوں کا سلسلہ ختم ہوجائے، اللہ کے اِن قوانین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نافذ فرمایا اور دنیا نے صدیوں تجربہ کیا اور آج بھی کررہی ہے کہ حقیقت میں نظامِ عالم پر کنٹرول اللہ کے قوانین

کے نفاذ سے ہی ممکن ہے، اُن کے بغیر یہ دُنیا راحت وسکون کا مسکن نہیں بن سکتی، امن وآشتی کا ضامن صرف اور صرف اسلام ہے، حقیقت میں آج پوری انسانیت اپنی زبانِ حال سے اُسی دَور کو پکار رہی ہے جس دَور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے سارے قوانین کو روبہ عمل لاکر ایک معطر ومعنبر ماحول تیار کیا تھا اور انسانیت کو اُس کی صحیح منزل پر پہنچایا تھا۔

عصر حاضر میں اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم عام کرنے کی ضرورت:

موجودہ دَور کا سب سے بڑا المیہ اخلاقیات کا فقدان ہے، جھوٹ، چوری، وعدہ خلافی، بغض، کینہ، فخر، غرور، ریا، غداری، بدگوئی، فحش گوئی، بدگمانی، حرص، حسد، چغلی غرض یہ کہ ساری اخلاقی برائیاں، عام انسانوں اور مسلمانوں میں ہی نہیں؛ بلکہ خواص میں بھی اخلاقیات کا انحطاط آ گیا ہے۔ اِس انحطاط وتنزل کا صرف اور صرف ایک ہی علاج ہے کہ ہر بری خصلت کی برائی معقول انداز میں بیان کی جائے۔ اِس سلسلے میں قرآن وحدیث کے نصوص واضح کیے جائیں؛ تاکہ معقولیت پسند طبقہ شریعت سے قریب ہو، اُس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ فاضلہ کو بھی بیان کیا جائے اور اُن کے اختیار کرنے کی تلقین کی جائے، ایک دین دار مسلمان کو اپنے اخلاق وکردار میں کیسا ہونا چاہیے؟ درس گاہِ نبوت کے تربیت یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیسے تھے؟ اُن کے اندر اخلاص وتقویٰ، شرم وحیاء، صبر وشکر کی صفات تھیں، وہ دیانت دار، امانت دار اور سخاوت وشرافت کے خوگر تھے۔ اُن کے اندر ایثار وقربانی، عفت وپاک دامنی اور تواضع وانکساری کی اعلیٰ صفات پائی جاتی تھیں۔ وہ خوش کلام، خوش الحان، خوش دِل اور رحم وکرم کے پیکر تھے، وہ ہمیشہ موت کو یاد رکھتے تھے، اُن کے معاملات کی صفائی سے لوگ متاثر تھے، یہ ساری چیزیں آیات واحادیث کی روشنی میں بیان کی جائیں تو بڑا موثر رہے گا، اپنوں کی اصلاح تو ہوگی ہی، غیر بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے، سچ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی تعلیمات کو اگر عام کیا جائے تو ضرور بالضرور ایک ایسا صالح معاشرہ وجود میں آئے گا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خیر القرون کے معاشرہ کے مماثل ہوگا، جن میں ساری خوبیاں موجود تھیں، یہ خوبیاں آج تاریخ کے صفحات کی زینت بنی ہوئی ہیں، جو کبھی زندگی میں موجود تھیں، پہلے مسلمانوں کو دیکھ کر اُن کے بلند وبالا اخلاق سے متاثر ہوکر لوگ اِسلام قبول کرتے تھے، آج اسلام اور اِسلام کی اخلاقی تعلیمات کو سمجھنے کے لیے کتب خانوں کا سفر کرنا پڑتا ہے۔ کاش! رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی تعلیمات زندگیوں میں رچ بس جائیں تو بات ہی دُوسری ہوجائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخِ ولادت کی تحقیق

افادات: شیخ الحدیث مولانا مفتی رضاء الحق (جنوبی افریقہ)

ترتیب وتخریج: مولانا محمد اویس گودھروی

محققین کے نزدیک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نو (۹) ربیع الاول کی صبح کو پیدا ہوئے، جو شمسی لحاظ سے ۲۰/اپریل ۵۷۱ء کا دن تھا۔

تحقیق تاریخِ ولادت:

سال: یہ بات مسلّم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت عام الفیل میں ہوئی تھی، اس پر سب ہی مؤرخین وسیرت نگار متفق ہیں۔ (البدایۃ والنہایۃ ۲/۳۲۱، صفۃ الصفوۃ، ۱/۵۱ وینظر: الروض الانف ۱/۲۷۶)

واقعۂ فیل کے کتنے دنوں بعد آپ کی ولادت ہوئی؟ اس بارے میں متعدد اقوال ہیں؛ مگر مشہور قول ۵۰/دن کا ہے۔

ولد عام الفيل .... فقيل: بعده بشهر ... وقيل: بخمسين يوما، وهو اشهر (البداية والنهاية ۲/۳۲۱)

مہینہ: اس سلسلہ میں علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۹۲۳ھ) نے چھ اقوال نقل فرمائے ہیں: (۱) محرم (۲) صفر (۳) ربیع الاول (۴) ربیع الآخر (۵) رجب (۶) رمضان؛ مگر جمہور اس بات پر متفق ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ماہِ ربیع الاول میں ہوئی۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ثم الجمهور على انه كان في شهر ربيع الاول (البداية والنهاية ۲/۳۲۰)

مشہور محقق عالم علامہ محمد زاہد کوثری رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۱۳۷۱ھ) نے تاریخ ولادت پر اچھی تحقیق فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ربیع الاول کے علاوہ کسی اور مہینے کا قول علمائے ناقدین کے نزدیک سبقتِ قلم کے قبیل سے ہے۔ (مقالات الکوثري، ص ۴۰۵)

دن: اس بات پر بھی اربابِ سیر وتاریخ کا اتفاق ہے کہ آپ کی ولادت پیر کے دن ہوئی۔

وفي الحديث: وسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن يوم الاثنين؟ قال: ذاك يوم ولدت فيه، ويوم بعثت

(صحیح مسلم، رقم: ۱۱۶۲، باب استحباب ثلاثة ایام من کل شهر) (البدایۃ والنہایۃ ۲ / ۳۱۹)

تاریخ: ماہِ ربیع الاول کی کونسی تاریخ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہوئی تھی؟ اس کے متعلق بعض علماء کا کہنا ہے کہ ربیع الاول میں پیر کے دن ہوئی؛ مگر تاریخ کا تعین نہ ہوسکا؛ جب کہ جمہور فرماتے ہیں کہ تاریخ متعین ہے۔ پھر وہ کونسی تاریخ تھی؟

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالی (م ۹۲۳ھ) نے اس سلسلہ میں کل سات اقوال نقل فرمائے ہیں: (۱) ربیع الاول کی دوسری (۲) آٹھویں (۳) دسویں (۴) بارھویں (۵) سترھویں (۶) اٹھارھویں (۷) بائیسویں۔ (المواہب اللدنیۃ ۱ / ۱۴۰-۱۴۲)

علامہ کوثریؒ فرماتے ہیں کہ: (۱) آٹھویں تاریخ ختم ہونے کے بعد یعنی نویں تاریخ (۲) دسویں تاریخ (۳) بارھویں تاریخ۔ ان تین اقوال کے علاوہ دیگر چار اقوال قابل التفات نہیں۔ تو اب کل بحث کا محور انھیں تین روایات میں سے راجح کی ترجیح ہے۔

دسویں تاریخ کی روایت:

اس روایت کو ابن سعد (م ۱۶۸ھ) نے محمد باقر (م ۱۱۴ھ) کی طرف منسوب کیا ہے؛ لیکن اس کی سند میں تین رُوات متکلّم فیہ ہیں؛ اس لیے دس تاریخ والی روایت قابلِ ترجیح نہیں ہے۔ اس روایت کی طرف علامہ کوثری رحمہ اللہ تعالی نے اشارہ فرمایا ہے۔ وہ روایت طبقات سے نقل کی جاتی ہے:

قال ابن سعد: انا محمد بن عمر بن واقد الاسلمي قال: ثني ابو بكر بن عبد الله بن ابي سبرة عن اسحاق بن عبد الله بن ابي فروة عن ابی جعفر محمد بن علي (ويعرف بمحمد الباقر) قال: ولد رسول الله صلى الله عليه وسلم لِعشرٍ خَلَون من شهر ربيع الاول، فبين الفيل وبين مولد النبي صلى الله عليه وسلم خمس وخمسون ليلة (**الطبقات الکبری لابن سعد ۱ / ۱۰۰ ذکر مولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم**)

بارہویں تاریخ کی روایت:

اس قول کو محمد بن اسحاق (م ۱۵۱ھ) نے نقل کیا ہے؛ مگر اس کی کوئی سند بیان نہیں کی، اگرچہ یہ قول سب سے زیادہ مشہور ہے اور اہلِ مکہ کی مجالس مولود پرانے زمانے سے اسی تاریخ میں ہوتی رہی ہیں، نیز دنیا بھر میں محافل مولود اور جلسے اسی دن کیے جاتے ہیں؛ مگر روایات سے اس دن ولادت ہونے کا ثبوت نہیں۔ ملاحظہ فرمائیں: مستدرکِ حاکم (م ۴۰۵ھ) میں ہے:

اخبرنا ابو الحسن محمد بن احمد بن شبويه بمرو، ثنا جعفر بن محمد النيسابوري، ثنا علي بن مهران، ثنا سلمة بن الفضل عن محمد بن إسحاق قال: ولد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لاثنتي عشرة ليلة مضت من شهر ربيع الأول (المستدرک علی الصحیحین للحاکم، رقم: ۴۱۸۳)

یہ روایت بھی سندِ متصل نہ ہونے کی وجہ سے قابلِ التفات نہیں اور اس کا حال بھی ان روایات کی طرح ہے جن کی سند نہ ہو۔

نویں تاریخ کا قول:

عقلاً اور نقلاً اس بات کو ترجیح حاصل ہے کہ آپ کی ولادت آٹھویں تاریخ کے ختم پر نویں تاریخ کو ہوئی۔

روایتاً: (۱) علامہ ابن عبدالبر (م ۴۶۳ھ) نے اس بارے میں اختلاف نقل کرتے ہوئے اس قول کو سب سے پہلے ذکر کیا ہے۔ قال أبوعمر: وقد قيل: لثمان خلون منه، وقيل، ...وقيل ... (الاستیعاب لابن عبدالبر ۱/ ۳۰)

(۲) حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: وقيل: لثمان خلون منه، حكاه الحميدي عن ابن حزم، ورواه مالک وعقيل ويونس بن يزيد وغيرهم عن الزهري عن محمد بن جبير بن مطعم، ونقل ابن عبد البر عن أصحاب التاريخ انهم صحّحوه، وقطع به الحافظ الكبير محمد بن موسى الخوارزمي، ورجّحه الحافظُ ابو الخطاب بن دحية في كتابه "التنوير في مولد البشير النذير (البدایۃ والنہایۃ ۲/ ۳۲۰)

(۳) حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحبؒ (م ۱۳۸۲ھ) تحریر فرماتے ہیں: عوام میں تو مشہور قول یہ ہے کہ ۱۲/ ربیع الاول تھی، اور بعض کمزور روایات اس کی پشت پر ہیں، اور اکثر علماء ۸/ ربیع الاول کہتے ہیں؛ لیکن صحیح اور مستند قول یہ ہے کہ ۹/ ربیع الاول تاریخ ولادت ہے، اور مشاہیر علمائے تاریخ اور حدیث اور جلیل المرتبت ائمۂ دین اسی تاریخ کو صحیح اور اثبت کہتے ہیں؛ چنانچہ حمیدی، عقیل، یونس بن یزید، ابن عبداللہ، ابن حزم، محمد بن موسی خوارزمی، ابو الخطاب ابن دحیہ، ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن کثیر، ابن حجر عسقلانی، شیخ بدرالدین عینی رحمہم اللہ اجمعین جیسے مقتدر علماء کی یہی رائے ہے۔ (قصص القرآن ۴/ ۲۵۳)

(۴) علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بھی نو (۹) تاریخ کو ولادت ہونا راجح قرار دیا ہے۔ (رحمۃٌ للعالمین ۱/ ۳۸-۳۹)

درایتاً/عقلاً: (۱) محمد بن موسی خوارزمی (م ۲۳۵ھ) فلکیات کے بہت بڑے امام ہیں، ان کا حوالہ ابھی اوپر کی عبارت میں ذکر کیا گیا۔

(۲) فن ریاضی کے بہت بڑے عالم علامہ محمود پاشا فلکی مصری (م ۱۳۰۲ھ) نے فرانسیسی زبان میں "تقویم العرب قبل الإسلام" کے موضوع پر ایک بے مثال کتاب تالیف فرمائی ہے، اور علامہ احمد ذکی پاشا (م ۱۳۵۳ھ) نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا ہے، جس کا نام "نتائج الافهام في تقويم العرب قبل الإسلام وفي تحقيق مولد النبي وعمره عليه الصلاة والسلام" ہے۔ اس کتاب میں مشرق اور مغرب کے کئی ایک فلکی ماہرین کے اقوال کو مدنظر رکھ کر کی گئی تحقیق سے بھی نو (۹) تاریخ ہونا واضح ہے۔ (نتائج الافهام ص ۲۸-۳۵)

ان کی بیان کردہ وجوہات میں سے ایک وجہ کچھ اس طرح ہے:

رسول اللہ اکے عہدِ مبارک میں سنہ ۱۰ھ ماہِ شوال کی آخری تاریخ کو سورج گہن ہوا تھا، اُسی دن آپ کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تھا۔

قال الحافظ (م ۸۵۲ھ): يوم مات إبراهيم يعني ابنَ النبي صلى الله عليه وسلم، وقد ذكر جمهور اهل السير انه مات في السنة العاشرة من الهجرة، فقيل: والاكثر على انها وقعت في عاشر الشهر (فتح الباري ۲ / ۵۲۹)

اس حساب سے اگر پیچھے شمار کیا جائے تو ربیع الاول کی نویں تاریخ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت بابرکت ہونا ثابت ہوگا؛ اس لیے کہ پیر کا دن یومِ پیدائش ہونا تو متفق علیہ ہے، اور وہ عام الفیل کے ربیع الاول میں نو (۹) تاریخ ہی کو آتا ہے۔ علامہ محمود پاشا فرماتے ہیں:

وقد اتفقوا جميعا على ان الولادة كانت في يوم الإثنين، وحيث انه لا يوجد بين الثامن والثاني عشر من هذا الشهر يوم إثنين سوى اليوم التاسع منه، فلا يمكن ان نعتبر يوم الولادة خلاف هذا اليوم۔

حضرت مولانا حفظ الرحمن تحریر فرماتے ہیں:

محمود پاشا فلکی نے (جو قسطنطنیہ کا مشہور ہیئت داں اور منجم گذرا ہے) ہیئت کے مطابق جو زائچہ اس غرض سے مرتب کیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے اپنے زمانے تک کے کسوف اور خسوف کا صحیح حساب معلوم کرے، پوری تحقیق کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ سنِ ولادت باسعادت میں کسی حساب سے بھی دوشنبہ کا دن ۱۲ / ربیع الاول کو نہیں آتا؛ بلکہ ۹ ربیع الاول ہی کو آتا ہے، اس لیے بلحاظِ قوت وصحتِ روایات اور باعتبارِ حسابِ ہیئت ونجوم ولادتِ مبارکہ کی مستند تاریخ ۹ / ربیع الاول ہے۔ (قصص القرآن ۴ / ۲۵۳)

(۳) مذکورہ بالا کتاب "نتائج الافهام في تقويم العرب قبل الإسلام وفي تحقيق مولد النبي وعمره عليه الصلاة والسلام" کے ایک ایڈیشن پر اپنے زمانے کے عظیم و نامور مؤرخ وادیب شیخ علی طنطاوی (م ۱۴۲۰ھ)

نے مقدمہ لکھا ہے، جس میں آپ نے نو (۹) ربیع الاول کو ولادت باسعادت کا دن قرار دینے پر مؤلفِ کتاب کی پرزور تائید فرمائی ہے۔ (مقدمات الطنطاوي ۸۳)

(۴) محدثِ عظیم ومحقق بے نظیر شیخ احمد شاکر (احمد بن محمد عبد القادر م ۱۳۷۷ھ) نے بھی شیخ محمود پاشا فلکی کی تحقیق کو اختیار کر کے اس سے کسوفِ شمس کی تعیین میں مدد لی ہے۔ (حاشیۃ الشیخ احمد شاکر علی "المحلّٰی بالآثار" ۵ / ۱۱۴-۱۱۵ لابن حزم الظاهري م ۴۵۶ھ)

(۵) سعودی عرب کے ایک محقق وماہرِ فلکیات عالم عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم (م ۱۴۱۶ھ) اپنی کتاب "تقويم الأزمان" میں تحریر فرماتے ہیں:

وقد ثبت بما لا يحتمل الشک من النقل الصحيح أن ولادته -صلى الله عليه وسلم- كانت في ۲۰/ نيسان ابريل سنة ۵۷۱ عام الفيل..... فبالإمكان معرفة يوم ولادته ويوم وفاته بالدقة.... وعلى هذا فتكون ولادته -صلى الله عليه وسلم- يوم الإثنين، الموافق ۹ ربيع الأول سنة ۵۳ قبل الهجرة ويوافق ۲۰/ نيسان ابريل سنة ۵۷۱ء نقلا وحساباً (تقويم الازمان لإرشاد ذوى الالباب لمعرفة مبادئ السنين والشهور من طريق الحساب ص ۱۴۳، الطبعة الاولى)

مزید دیکھیے: (۱) ایک مفصل مضمون بعنوان "تحدید میلادہ الشریف" ہمارے یہاں موجود کتاب "ماشاع ولم يثبت فى السيرة النبوية" تألیف: محمد بن عبد اللہ العوشن، ط: دار طیبۃ، الریاض" میں بھی مذکور ہے، جس میں شیخ عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم کی مذکورہ عبارت کے علاوہ دیگر علمائے کرام کے اقوال کی روشنی میں ۹/ تاریخ ہونا راجح قرار دیا ہے۔

(۲) علامہ محمد زاہد کوثری رحمہ اللہ تعالی (م ۱۳۷۱ھ) کا ایک مختصر اور محقق مقالہ بعنوان "المولد الشريف النبوي" اس موضوع پر شائع ہوا ہے۔ انہوں نے بھی محمود پاشا فلکی کی مذکورہ کتاب سے استفادہ کیا ہے اور مؤلف کے بارے میں اونچے کلمات تحریر فرمائے ہیں۔

دیکھیے: (مقالات الكوثري ص ۴۰۵ تا ۴۰۸، ط: مطبعة الانوار بالقاهرة)

(۳) حضرت مولانا مفتی عمر فاروق لوہاروی دامت برکاتہم، شیخ الحدیث دار العلوم لندن (یو-کے) کا ایک مضمون بعنوان "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخِ ولادت" ان کے بیش قیمت محقق ومدلل رسائل "فقہی جواہر" (ج ۱/ص ۶۸/ تا/ ۷۱) میں موجود ہے۔ ان رسائل پر اکابر علماء کی تقریظات ہیں، جن میں ایک دار العلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔

تنبیہ: بعض علماء نے آٹھویں تاریخ کا قول اختیار کیا ہے، تو یاد رہے کہ آٹھویں اور نویں تاریخ کے دو اقوال میں ترجیح دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ ایک تطبیق حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحبؒ کی ہے، وہ یہ ہے کہ آٹھ (۸) اور نو (۹) ربیع الاول کا اختلاف حقیقی نہیں۔ مولانا تحریر فرماتے ہیں:

"۸ اور ۹ کا اختلاف حقیقی اختلاف نہیں؛ بلکہ مہینے کے ۲۹ / اور ۳۰ کے حساب پر مبنی ہے، حساب سے جب یہ ثابت ہوگیا کہ صحیح تاریخ ۲۱ / اپریل تھی تو آٹھ (۸) کے متعلق تمام اقوال دراصل نو (۹) کی تائید میں پیش ہو سکتے ہیں۔" (قصص القران ۴ / ۲۵۴)

وقتِ ولادت:

کتبِ سیرت میں اس بات کی صراحت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت صبح صادق کے وقت ہوئی، اور مکہ مکرمہ میں ۲۰ / اپریل کو (۴:۳۹) پر صبح صادق ہوتی ہے؛ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۹ ربیع الاول عام الفیل، ۲۰ / اپریل ۵۷۱ء بہ روز پیر، بہ وقتِ صبح تقریباً ۴ بج کر ۴۰ منٹ پر اس دنیا میں تشریف لائے۔

خلاصہ: مذکورہ بالا تفصیلات کا حاصل یہ ہے کہ نقلاً وعقلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی معتمد تاریخ نو (۹) ربیع الاول ہے۔

ويتلخص من هذا ان سيدنا محمدا صلى الله عليه وسلم ولد يوم الإثنين ۹/ من ربيع الاول، الموافق العشرين من إبريل سنة ۵۷۱ مسيحية، فاحرص على هذا التحقيق، ولا تكن اثيراً للتقليد۔ (نتائج الافهام في تقويم العرب قبل الإسلام۔ ص ۳۵)

مکانِ ولادت:

جمہور کے نزدیک مکہ مکرمہ میں ولادت ہوئی۔ پھر جگہ کی تعیین میں تین اقوال ہیں۔ مشہور قول یہ ہے کہ آپ کی ولادت شعبِ بنی ہاشم میں ہوئی۔ یہ مشہور جگہ ہے اور چند سال پہلے تک لوگ اس کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے۔ چند سال پہلے سعودی حکومت نے اسے بند کر دیا اور اس کی جگہ مکتبہ بنا دیا۔

فى الدار التي فى الزقاق المعروف بزقاق المولد في شعب مشهور بشعب بني هاشم (سبل الهدى والرشاد ۱ / ۳۳۸)

من الطرف الشرقي لمكة، تزار ويتبرك بها إلى الآن (تاريخ الخميس في احوال انفس النفيس ۱ / ۱۹۸)

طبقات فقہائے حنفیہ کا ایک جائزہ

مولانا مفتی عبداللہ فردوس

تاریخ لکھنے کا رواج قدرتی طور پر اسلامی فتوحات کے بعد شروع ہوا اور سب سے پہلے تیسری صدی ہجری میں مؤرخ یعقوبی المتوفیٰ 292ھ نے تاریخ یعقوبی اور اس کے بعد امام ابن جریر طبری المتوفیٰ 310ھ نے تاریخ طبری لکھی۔لیکن طبقات کی ابتداء اس سے پہلے ہوگئی تھی اور بعد میں ترقی کر کے ایک فن کی حیثیت اختیار کی، مزید ترقی کر کے علم اور تمدن کے زمانہ میں مختلف طبقات مثلاً طبقات العلماء، فقہاء، شعراء، حکماء، اطباء اور متکلمین وغیرہ کے الگ الگ طبقات قائم ہوئے۔

یہ ایک تاریخی بحث ہے کہ عباسی دورِ حکومت فقہی مکاتبِ فکر اور عربی علوم وفنون کا سنہرا دور رہا ہے۔اسی عہد میں بڑے بلند پایہ، عالی ہمت اور اپنی ذہانت وفطانت کے اعتبار سے محیر العقول علماء وفقہاء پیدا ہوئے، کیوں کہ اس دور کی ضرورت کے لحاظ سے اسی درجے کے اہل علم کی ضرورت تھی۔ پھر ان میں سے بعض بلند پایہ فقہاء نے مستقل دبستان فقہ کی بنیاد رکھی اور ان سے علمی وعملی تاثر کی وجہ سے اہل علم کی ایک معتد بہ تعداد ان کے ساتھ ہو گئے۔انہوں نے علوم کی اشاعت، تدوین اور تائید وتقویت کے ذریعہ مستقل فقہی مکاتب کو وجود بخشا، ان شخصیتوں میں سب سے ممتاز شخصیتیں ائمہ اربعہ کی ہیں۔

ایک مفتی کے لیے طبقات الفقہاء سے واقفیت ضروری ہے۔ان کے نظریات، رجحانات، ذوق اور اسلوب کا جاننا از حد مفید ہے، اگر چہ بعض مسائل میں جس سے تفرد کی دعوت محسوس ہو اتفاق نہ کریں؛ مگر نفسِ واقفیت سے مسائل، فتویٰ اور اجتہاد میں بڑی مدد ملتی ہے، کیوں کہ کسی معمولی آدمی کی زیادہ تعریف کرنا یا کسی بڑے شخص کی معمولی تعریف کرنا سب پر پانی پھیرنے کے مترادف ہے۔اس سے مسئلے اور اجتہاد کا کوئی وزن باقی نہیں رہتا ہے۔

یہ وہ خوش قسمت مجتہدین ہیں جن کی فقہ کو منجانبِ اللہ بقا حاصل ہوا اور آج تک عملی طور پر قائم اور نافذ ہے۔ان مکاتبِ فقہ میں ہر دور میں ماہرین فقہا کا وجود تسلسل کے ساتھ رہا ہے۔ ہر دور میں اس کے تقاضوں کے مطابق علم و تحقیق کے میدان میں خدمات انجام دیتے رہیں۔

یہ بات ضرور ہے کہ فقہائے احناف میں سے بہت عدیم النظیر، فقید المثال اور علم کے شہسوار گزرے ہیں، جن کی تنقیحات اور توضیحات کے لیے مؤرخین اپنی فکری اور قلمی کاوشوں میں جگہ نہیں دیتے اور نہ ان کی مرتب سوانح موجود

ہے۔ بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ قاضی صیمری رحمہ اللہ محض کتابوں کے اوراق میں پوشیدہ ہیں تو کچھ غلط نہیں ہے۔

ہم قاضی صیمری رحمہ اللہ کے قضا کے کارناموں کو، ان کے اساتذہ کرام اور شاگردوں کے تذکروں کو، ان کی تصانیف اور علمی کارناموں سے گریز کرکے، طبقات کے بانی اور مؤسس کی حیثیت سے یہاں بحث کریں گے۔ طبقات کے تعین میں قاضی صیمریؒ کو اوّلیت حیثیت حاصل ہے۔

القابات جو بھی ہوں کام اپنا نام خود متعین کراتا ہے۔ یہ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ موصوف ان القابات کے حق دار تھے اور نمایاں طور پر یہ صفات ان میں موجود تھیں۔

طبقات حنفیہ پر پہلا قلم اُٹھانے والے یہی قاضی صیمریؒ ہیں۔ بعد کے علماء نے ان سے ضرور فائدہ اُٹھایا ہے۔ اگرچہ ان کا نام وتذکرہ طبقات کی کتابوں میں یکسر معدوم ہے۔

تاریخ "البدایہ والنہایہ" میں علامہ ابن کثیر شافعی رحمہ اللہ المتوفیٰ 774ھ نے ان کے حالات کو محض ایک پیرگراف میں سمیٹا ہے۔ شذرات الذہب میں ابن عماد حنبلیؒ المتوفیٰ 1089ھ نے بھی کچھ اسی طرح کا معاملہ کیا ہے۔ خطیب بغدادی المتوفیٰ 463ھ جو ان کے ہم وطن اور شاگرد ہیں۔ ان کی صرف ایک بات نقل کی کہ قاضی صیمریؒ اپنے دور میں بغداد شہر میں احناف کے شیخ تھے۔ یہ خطیب بغدادی کا اپنا ایک انداز ہے۔ الوافي بالوفيات للصفدي میں ایک سطر کافی سمجھی اور "الحنفی" کی قید بڑھائی۔ یہ تو دوسرے مکاتب فکر کے علماء کی آراء تھیں۔

علمائے احناف میں صاحب الجواهر المضيّة في طبقات الحنفية لعبد القادر بن محمد بن نصر الله المتوفیٰ (۷۷۵ھ) کی اور الطبقات السنية في تراجم الحنفية لعلامه تقی الدين غزی المتوفیٰ ۱۰۰۵ھ) نے یہ قول نقل کیا ہے:

وقال أبو الوليد الباجي كان إمام الحنفية ببغداد وقان قاضيا عالما خيرا والصيمري بفتح الصاد وسكون الياء آخر الحروف وفتح الميم وفي آخرها راء هذه نسبة إلى موضعين أحدهما إلى موضع نهر من انهار البصرة يقال له الصيمر عليه عدة قرى۔ والثاني نسبة إلى بلدة بين ديار الجبل وخوزستان.

بس اسی ایک پیراگراف میں قاضی صیمریؒ کے حالات کو سمیٹ لیا۔

مجھے قاضی صیمری رحمہ اللہ سے لگاؤ کیسے پیدا ہوا؟ اس کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ میں مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ کی کتاب "امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی" میں قضا سے متعلق دیکھ رہا تھا۔ اس میں محمد بن موسیٰ کے شاگردوں میں قاضی صیمری رحمہ اللہ کا تذکرہ بھی آیا۔ گیلانی صاحب نے لکھا ہے کہ قاضی صیمریؒ کی طبقات پر بہترین کتاب ہے، اس بات کو علامہ ابن القیم الجوزیؒ المتوفیٰ 751ھ نے المنتظم میں لکھا ہے۔ لیکن مجھے تتبع اور تلاش کے باوجود

المنتظم میں اس کا تذکرہ نہیں ملا۔اب قاضی الصیمری کا تذکرہ بھی سنیئے :

چوتھی صدی ہجری میں قاضی صیمریؒ بغداد کی سرزمین پر (351-436ھ) میں پیدا ہوئے۔

اَلصَّیْمَری..... صَیْمَر بروزن حَیْدَرْ ہے اور اسی نسبت کی وجہ سے صیمری کہلاتے ہیں۔ پورا نام حسین بن علی بن محمد بن جعفر ہے۔ابوعبداللہ کنیت ہے۔قاضی صیمریؒ پانچ واسطوں سے امام محمد الشیبانی کے شاگرد ہیں۔خطیب بغدادی ان کے تلامذہ میں سے ہیں۔ان کی تاریخِ وفات بروز اتوار ۲۱ رشوال ۴۳۶ھ اور ولادت ۳۵۱ھ ہے۔کل عمر 85 سال ہے۔خطیب نے ان کے تذکرے میں لکھا ہے : صدوق، وافرُ العقل، جميل المعاشرة، عارفًا بحقوق أهل العلم۔

حافظ عبدالقادر قرشی فرماتے ہیں کہ بمقام ربع الکرخ منصبِ قضا پر تا وفات فائز رہے ہیں۔امام ابوالولید الباجی فرماتے ہیں کہ بغداد میں ان کو احناف کی امامت حاصل تھی اور لکھا ہے: كان قاضيًا عالمًا خيرًا۔

طبقات پر بندہ نے "فقہ اسلامی کے ثانوی اصول شرع" میں تفصیل سے لکھا۔یہ اس کا ایک مختصر جائزہ ہے۔اگرچہ تفصیلی مقالہ میں دوسری مفید باتیں بھی ہیں۔

یہ بات ضروری ہے کہ فقہ سمجھنے کے لیے ہر دور کے اجتہادات یعنی طبقات الفقہاء کا جاننا ضروری ہے کہ مجتہدِ مطلق، مجتہد منتسب اور مجتہد مذہبی کون ہیں؟

میں نے ابن کمال پاشا کی "الرسالة فی دخول ولدالبنت فی الموقوف علی الأولاد" اور قاضی صیمریؒ کی "اخبار ابي حنيفة وأصحابه رضی اللّٰه عنه وعنهم" دونوں کتابوں کا مطالعہ کیا کہ ابن کمال باشا نے قاضی صیمریؒ سے کتنا فائدہ اُٹھایا؟ یا اپنی بنیاد پر تعمیر کیا۔ قاضی صیمریؒ نے طبقات کی بنیاد ڈالی، دوسروں نے آگے بڑھایا، اس کے بعد والوں نے تکمیل تک پہنچایا۔اگرچہ درمیان میں زمانوں اور علاقوں کا فاصلہ بھی آیا مگر علم کے قافلے نے کہیں پڑاؤ نہیں ڈالا۔

اگرچہ قاضی صیمریؒ نے طبقات کی ابتدائی بنیاد رکھی ہے اور حتی الامکان 404ھ تک طبقات میں وہی علماء اور فقہاء رکھے ہیں جو بعد کے علمائے احناف نے رکھے ہیں۔قاضی صیمریؒ نے اپنی کتاب اخبار ابي حنيفه واصحابه رضی اللّٰه عنه وعنهم کے آخر میں ایک عنوان رکھا ہے: طبقات اصحاب ابي حنيفه الی وقتنا هذا اور کتاب کے آخر میں لکھا ہے: فهذا آخر ما ذكرنا من طبقات اصحابنا بالعراق وما قرب منه۔

قاضی صیمری کے بارے میں مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے لکھا ہے کہ قاضی صاحب پانچویں صدی ہجری کے مستند عالموں میں ہیں۔خصوصاً طبقات حنفیہ میں ان کی رائے بہت وقیع سمجھی جاتی ہے۔

ایک کھلی حقیقت:

نَبْني كما كانت أوائلُنا ... تَبْني ونَفْعَلُ مِثْل ما فَعَلوا

اتنا جو کچھ ہوا پچھلوں کی تحقیقات پر تعمیر کیا گیا، اگر پچھلے بنیاد نہ رکھتے تو اگلے تعمیر نہ کر سکتے۔

جس پر علامہ ابن کمال باشا نے تعمیر کی ہے۔یعنی مضمون وہی ہے صرف لفافہ بدلا گیا۔

دونوں کتابوں میں باوجود اختلاف کے بہت سی قدریں بہرحال مشترک ہیں۔ ہاں یہ بات ضروری ہے کہ ہر علم پہلے نومولود ہوتا ہے پھر بڑھتا، جوان ہوکر اپنی منزل کو پہنچتا ہے۔ خدمت والے زمانے کے اعتبار سے مقدم مؤخر ہو سکتے ہیں قاضی صیمریؒ نے اپنے زمانے کے اعتبار سے ایک درجہ بندی متعین کی ہے جس میں صرف مجتہدین تھے اسی کو طبقات سے تعبیر کیا ہے۔

یہ بات قابل غور ہے کہ جن حضرات نے طبقات الفقہاء پر ابتداً جو لکھا ہے وہ چند صفحات سے زیادہ نہیں ہے۔ بعد میں اس متن پر شرح، حاشیہ، تائید اور تنقید نے کام کو بڑھا دیا۔

ہاں یہ بات ضرور ہے کہ ایک زمانے کا اجتہاد دوسرے زمانے کے بنسبت بدلتا رہتا ہے۔ پہلے زمانے کا مجتہد مطلق ہوتا ہے پھر مجتہد منتسب پھر مجتہد مذہبی؛ یہ معاملہ تیسری، چوتھی صدی ہجری تک رہا ہے۔ اس کے بعد تخریج، ترجیح، تمیز اور تقریر کا دور دورہ شروع ہوا۔

قاضی صیمری نے لکھا ہے کہ ہر مقلِد کے لیے اپنے امام کے حالات کے ساتھ ساتھ ان کے شاگردوں کے حالات سے باخبر ہونا بھی ضروری ہے۔

آگے لکھنے سے پہلے ہم دسویں صدی کے مشہور عالمِ دین علامہ قاضی شمس الدین احمد بن سلیمان بن کمال پاشا المتوفی 940ھ جو کہ مشہور محقق اور مصنف ہیں۔آپ نے اتنی کثیر تعداد میں تصانیف تحریر کی ہیں کہ آپ کے بارے میں کہا جاتا ہے:قَلّما یوجد فن من الفنون ولیس لابن کمال باشا مصنف فیه۔

مستقل کتابوں کے علاوہ سو تک رسائل بھی ہیں جو''رسائل ابن کمال باشا'' کے نام سے دار اللباب سے لجنة المحققین کی تحقیق سے آراستہ ہوکر طبع ہو چکی ہے۔طبقات کی بحث رسالہ نمبر 37 پر''الرساله فی دخول ولدالبنت فی الموقوف علی الاولاد صفحہ 120-136 تک ہے۔ یہ بات جاننا ضروری ہے کہ علامہ ابن کمال پاشا پہلے شخص نہیں ہیں جنہوں نے طبقات پر کام کیا بلکہ انہوں نے بہت سے متقدمین سے فائدہ اُٹھایا جو اس باب میں پہلے قدم رکھ چکے ہیں۔

مؤیدین:

ابنِ کمال پاشا نے فقہائے احناف کے سات طبقات شمار کیے ہیں جن کو متاخرین علماء میں سے مندرجہ ذیل حضرات نے تائید کے ساتھ نقل کیا۔

1-علی بن امر اللہ الحنائی نے اپنی کتاب طبقات الحنفیہ میں۔

2-ملا علی القاری المتوفیٰ 1014ھ نے شمّ العوارض فی الرد علی الروافض میں۔

3-علامہ ابن عابدین شامی المتوفیٰ 1252ھ نے عقود رسم المفتی اور ردالمحتار کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے۔

تحفظات:

فقہائے کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ تمام مجتہدین، اصحابُ التمیز والترجیح ایک درجے کے نہیں ہوتے ہیں، بلکہ ان کے درجات ومراتب مختلف ہیں تاہم اس درجہ بندی کے اسباب کے بارے میں فقہائے کرام کے درمیان اختلاف ہے۔ یہ اختلاف ان کے اپنے اپنے نقطہ نظر کی بنا پر ہے۔

1-سب سے پہلے علامہ شہاب الدین المرجانی المتوفیٰ 1233ھ-1306ھ نے ناظورۃ الحق فی فرضیۃ العشاء وان لم یغب الشفق میں کی ہے، اس نے لکھا ہے کہ یہ صحت سے دور اور توہم پر مبنی ہے۔

2-علامہ عبدالحی لکھنوی نے "النافع الکبیر" اور مقدمہ "عمدۃ الرعایۃ" میں اس تقسیم پر عدم اطمینان کا اظہار کیا۔

3-شیخ عبدالقادر الرافعی نے تقریرات الرافعی میں مولانا عبدالحی لکھنوی کی تائید کی ہے۔

4-امام زاہد الکوثری المتوفیٰ 1371ھ نے حُسن التقاضی فی سیرۃ الامام ابی یوسف القاضی میں ایک عنوان قائم کیا: تعقّب الشهاب المرجانی لكلام ابن الكمال فی طبقات الفقهاء۔ اس کے تحت امام زاہد الکوثریؒ نے لکھا ہے کہ لما فی ذلک من الفوائد آگے کئی اہم مباحث کو زیر بحث لائے اور مذکورہ تقسیم پر رد کیا۔

5-امام ابوزہرہ نے ابو حنیفہ وحیاتہ نامی کتاب میں لکھا ہے کہ کئی نکات کی وجہ سے یہ تقسیم مخدوش ہے۔

بس آپ یہ سمجھیں کہ طبقات الفقهاء الحنفیہ سمجھنے کی یہ ایک کوشش ہے اس سے اختلاف کیا جاسکتا ہے اور ہوسکتا ہے۔ بہرحال اس میں دو رائے ہوسکتی ہیں۔

6-المتانة فی مرمّة الخزانة کے محقق ابوسعید غلام مصطفیٰ القاسمی السندھی المتوفیٰ 1424ھ نے طبقات کے بحث میں لکھا ہے کہ ولكن هذا التقسيم كان غلطاً فاحشاً من ابن كمال باشا الرومی ---- فقدّم واخّر، وجعل المجتهد مقلِّداً والمقلِّد مجتهداً فانتقد عليهم العلامة عبدالحی الكهنوی والعلامة شيخ محمد بخيت۔

7-شیخ محمد بخیت المطیعی المتوفی 1354ھ نے ارشاد اھل الملة إلی اثبات الاھلة میں اس تقسیم کو غلط قرار دیا۔

8-شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی العثمانی نے اصول الافتاء وآدابہ میں بھی ابن کمال پاشا کی تقسیم کو پسند نہیں کیا۔

8- ابوالحاج صلاح محمد سالم نے تو یہ الفاظ ذکر کیے ہیں کہ: وغفلة ابن كمال باشا عن هذا واتيانه بطبقات المشهورة صنعت تشويشاً كثيراً في هذا الباب۔

اب اس مشکل کے حل کے لیے مندرجہ ذیل مناہج زیر بحث لانا ضروری ہیں۔

1-المنهج الاستغراقی: فقہ، اُصول فقہ اور تاریخ کے کتابوں کا جانچ پڑتال کرنا۔

2-المنهج التحليلی: ان تمام معلومات کی تحلیل کرنا۔

3-المنهج الاستنباطی: ان تمام معلومات سے نتیجہ نکالنا۔

ان کے بعد ان شخصیات کو صحیح سمجھنا پھر ان کو علمی ترتیب کے ساتھ پیش کرنا، ان کی تصنیفات اور مسائل پر گہری نظر رکھنا اور ان کے مراتب متعین کرنا اور عام علماء کے سامنے لانا ہر کسی کا کام نہیں بلکہ ان حضرات کا کام ہے جو کئی صلاحیتوں کے مالک ہوں۔

جہاں تک طبقات میں افراد کے تعین کی بات ہے وہ تو صدیوں سے چلی آرہی ہے اور قیامت تک رہے گی۔ اسے ختم نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی کوئی دوسرے کو ختم یا مغلوب کر سکتا ہے۔ یہ اختلاف عقیدہ میں بھی ہے، شخصیات میں بھی ہے، فقہ میں بھی ہے اور رسوم وعبادات میں بھی ہے، اگر کوئی سمجھتا ہے کہ یہ اختلافات کسی طرح ختم کیے جا سکتے ہیں تو وہ تاریخی پس منظر اور عوامل سے بے خبری کا اظہار کرتا ہے۔ یہاں صرف ہم تصادم کی راہ ہموار کرنے میں ایک راہ کی تعیین کرتے ہیں تاکہ اس کا سنجیدگی سے جائزہ لیا جائے۔

نتیجہ:

ان تمام تحفظات کا حاصل یہ ہے کہ یہ تقسیم اور درجہ بندی کئی خرابیوں پر مشتمل ہے۔ اور علامہ شامیؒ نے ''رسم المفتی'' میں بعینہٖ نقل کر دیا ہے۔ انہوں نے درجہ بندی کے ساتھ جن فقہا کا نام متعین فرمایا ہے وہ حتمی نہیں ہے، ان میں کچھ آگے پیچھے بھی ہو سکتا ہے۔

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اصلاً تمام فقہائے اَحناف کے تین طبقات ہیں:

(۱) **سَلَف**: امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے اَجلّ تلامذہ: امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ۔

(۲) **خَلَف**: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ المتوفی: ۱۸۹ھ کے بعد سے شمس الائمہ حلوانیؒ المتوفی: ۴۴۸ھ تک کے فقہا۔

(۳) **متاخرین:** شمس الائمہ حلوانی کے بعد سے حافظ الدین البخاری المتوفی: ۶۹۳ھ تک کے فقہا۔ ان میں سے سلف کی آراء مذہب میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں اور ان ہی کی آراء کی روشنی میں طبقۂ خلف نے اپنے اجتہادات کو اُمت کے سامنے پیش فرمایا ہے، طبقۂ متاخرین میں بعد کے آنے والے بہت سے مشہور فقہا بھی شامل ہیں جو طبقۂ سلف وخلف کے اقوال واجتہادات سے بھرپور استفادہ کرتے رہے ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ المتوفی: ۱۲۵۲ھ نے علامہ شمس الدین احمد بن سلیمان بن کمال پاشا المتوفی: ۹۴۰ھ کے حوالے سے ائمہ مجتہدین کے کل سات طبقات اور سات درجات نقل فرمائے ہیں، ہم اولاً ان ساتوں طبقات کو نقل کردیتے ہیں، اس کے بعد کچھ تبصرہ بھی کریں گے۔

طبقۂ اولیٰ: مجتہد فی الشرع یا مجتہد مطلق؛ یعنی وہ ائمہ مجتہدین جو اصولی قواعد کی بنیاد ڈالنے اور ادلۂ اربعہ سے فروعی احکام کے استنباط کرنے میں کسی کی تقلید نہیں کرتے، جیسے ائمہ اربعہ، امام اوزاعیؒ، امام ابن ابی لیلیٰ، سفیان ثوریؒ وغیرہ ہیں۔

طبقۂ ثانیہ: مجتہد فی المذہب یا مجتہد منتسب؛ جو ادلۂ اربعہ سے امام اعظم رحمہ اللہ کے مقرر کردہ اصول کے مطابق احکام کا استنباط کرتے ہیں، اصول میں امام اعظم رحمہ اللہ کی مخالفت نہیں کرتے؛ البتہ فروعی مسائل میں مخالفت بھی کرتے ہیں، جیسے امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر رحمہ اللہ وغیرہ ہیں۔

طبقات فقہائے حنفیہ کی کتابیں تعداد میں متفق نہیں ہے تاہم اس بات پر متفق ہے کہ امام محمد دوسرے طبقے میں شمار ہوتے ہیں یعنی مجتہد فی المذہب اور مجتہد مطلق نہیں ہے۔

طبقۂ ثالثہ: مجتہد فی المسائل؛ یہ حضرات مسائل کا استنباط مقررہ اصول کے مطابق کرتے ہیں، جن کے بارے میں مجتہدین فی الاصول اور مجتہد فی المذہب کی طرف سے کوئی صراحت نہیں ہے، یہ لوگ مسائل کے استنباط میں اصول وفروع کسی میں بھی مجتہد مطلق اور مجتہد منتسب کی مخالفت نہیں کرتے، جیسے: امام احمد بن عمر الخصاف، امام طحاوی، ابوالحسن کرخی، شمس الائمہ حلوانی، شمس الائمہ سرخسی، فخر الاسلام بزدوی رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔

طبقۂ رابعہ: اصحاب التخریج؛ یہ حضرات اجتہاد کرنے پر تو قادر نہیں ہیں؛ لیکن تمام اصول کو ضبط واحاطہ کرنے کی وجہ سے اور مسائل کے مآخذ پر واقف ہونے کی بنا پر متعدد جہات والے مسائل کی تفصیل پر قدرت رکھتے ہیں، جیسے: ابوبکر رازی اور ان کے ہم پلّہ حضرات ہیں۔

طبقۂ خامسہ: اصحاب الترجیح: یہ حضرات بعض مسائل کو بعض پر ترجیح اور فضیلت دینے پر قدرت رکھتے ہیں، جیسے امام ابوالحسن قدوری اور امام مرغینانی صاحب ہدایہ، یہ حضرات مثلاً یوں کہا کرتے ہیں: ''ھٰذا صحیح''، ''ھٰذا

اولیٰ''، ''ھذا اصح''، ''ھذا اوفق للناس''۔

طبقۂ سادسہ: اصحاب التمییز: یہ حضرات ظاہر الرّوایہ، نادر الرّوایہ، نازل الرّوایہ، واقعات، فتاویٰ، اقویٰ اور اضعف وغیرہ کے درمیان فرق کرنے پر قدرت رکھتے ہیں، جیسے: اصحاب متون معتبرہ، صاحب الکنز، صاحب المختار، صاحب المجمع، صاحب الوقایہ، صاحب النقایہ وغیرہ۔

طبقۂ سابعہ: جو کھرا کھوٹا اور باب احکام میں دائیں کو بائیں سے امتیاز کرنے پر قدرت نہیں رکھتے، جیسے: اس زمانۂ انحطاط میں جو اصحابِ زبان واصحاب قلم کہلائے جاتے ہیں، ان کی زبان وقلم کا اعتبار بغیر حوالہ کے ہرگز معتبر نہیں ہے۔

علامہ عبدالحی لکھنوی نے مقدمہ عمدۃ الرعایۃ میں اور سید امیر علی نے مقدمہ عین الہدایہ میں اور علامہ کفوی نے کتاب ''اعلام الاخیار فی طبقات فقہاء مذھب النعمان المختار'' سے فقہا کی مذکورہ بالا طبقاتی تقسیم کو دوسری طرح نقل کیا ہے؛ یعنی علی خمس طبقات لیکن ان دونوں قولوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیوں کہ کفوی نے دو قسموں کو بیان نہیں کیا ہے۔ ایک پہلی قسم یعنی مجتہد مطلق اور ایک آخری قسم یعنی مقلد محض وعامی، اگر دونوں کو ذکر کرتے تو ان کے یہاں بھی سات قسمیں ہو جاتیں، صاحب عین الہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ کل سات طبقات ہوئے ایک مجتہد مطلق، پھر پانچ وہ طبقے جو کفوی نے ذکر کئے پھر ساتواں طبقہ جو ابن کمال پاشا نے زائد کیا ہے، ان میں سے اول ودوم وسوم طبقات تو اجتہاد کے ہیں اور باقی طبقات مقلدین کے ہیں یہاں تک کہ ساتواں طبقہ بالکل بے تمیز مقلدوں کا ہے۔

طبقات قاضی الصیمری:

اب قاضی صیمری رحمہ اللہ جو مؤسس طبقات حنفیہ ہیں ان کی تفصیل دیکھیں:

1-مجتھدین فی الشرع

2-مجتھدین فی المذھب

3-اصحاب ابی یوسف، زفر اور محمد بن الحسن رحمھم اللہ

امام ابو یوسف، اور محمد بن الحسن دونوں کے شاگرد

الف ابوسلیمان موسیٰ بن سلیمان الجوزجانی، ابوعبداللہ محمد بن سماعہ اور ہشام بن عبیداللہ الرازی۔

ب صرف امام ابو یوسف کے شاگرد الحسن بن مالک، ابوالولید بشر بن الولید الکندی، بشر بن غیاث المریسی اور ابراہیم بن الجراح

ج امام ابو یوسف اور امام زفر کے شاگرد

ہلال بن یحی المعروف بھلال الرای

صرف امام زفر کے شاگرد

محمد بن عبداللہ الانصاری اور عبیداللہ بن عبدالمجید الحنفی

صرف امام محمد بن الحسن کے شاگرد

موسی بن نصر الرازی، محمد بن مقاتل الرازی

4-وممن تاخر عن هذه الطبقة

ابوبکر احمد بن عمرو الخصاف، ابوالعباس احمد بن عیسی البرنی القاضی، ابوجعفر احمد بن عمران استاذ امام ابوجعفر الطحاوی اور ابوعلی الدقاق

5-ومن المتاخرین عن هذه الطبقة

ابوحازم عبدالحمید بن عبدالعزیز القاضی، ابوسعید احمد بن الحسین البرذعی ان دونوں کے بعد" وصار التدریس بعد اذ" ابوالحسن عبیداللہ بن الحسین الکرخی نے سنبھالا۔

اور ان سے پیدائش میں پہلے امام ابوجعفر الطحاویؒ ہیں اور ابوعمرو الطبری بھی ہیں۔ان کے ساتھ تدریسی خدمات میں ابوعبداللہ بن ابی موسیٰ الضریر جس کا نام محمد بن عیسیٰ ہے، وہ بھی شامل ہیں۔ابوبکر الدمغانی، ابومحمد بن عبدک، ابوعبداللہ الحسین بن علی الضریر، ابوبکر بن شاہویہ، ابوسہل الزجاجی، ابوالحسین قاضی الحرمین اور ابوزکریا یحی بن محمد الضریر البصری ہے۔

اب ان کے درمیان ببلوگرافی سے با آسانی معلوم ہوجاتا ہے کہ علامہ ابن کمال باشا نے ان پانچ طبقوں میں کن کن شخصیات کو لیا؟

اب! قاضی صیمری رحمہ اللہ نے اصلاً پانچ قسمیں ذکر کیں یعنی سلف وخلف کا تذکرہ جن کا دور 448ھ تک رہا۔ پہلے تین طبقے مجتہدین کے ہیں ان کے بعد متاخرین کا سلسلہ جو اصحاب التخریج، اصحاب الترجیح اور اصحاب التمیز کا ہے یہ حضرات قاضی صیمری رحمہ اللہ کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔

نتیجہ: ہر علم کے خدمت کرنے والے زمانے کے اعتبار سے مقدم اور مؤخر ہیں پہلے والوں کو متقدمین اور بعد والوں کو متاخرین اور ہم عمر کو معاصرین کہتے ہیں۔اہل علم نے خدمات کے اعتبار سے ہر ایک کی درجہ بندی مقرر کی ہے۔اسی کو طبقات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔حضرات علمائے کرام عام طور پر اہل علم کے درمیان طبقات بناتے

ہیں کیوں کہ ثقاہت اور اعتماد کے لحاظ سے سب ایک درجہ کی نہیں ہیں۔ پس ہر ایک کے ساتھ اس کے مرتبے کے مطابق پیش آنا ہے اور دلیل یہ ہے:

قَالَ رَسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خَيْرُ أُمَّتِي قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ۔

قال رسول اللہ ﷺ: انزل الناس منازلهم من الخير والشر، واحسن ادبهم على الاخلاق الصالحة۔

اچھے اور برے لوگوں کو ان کے مقام پر بٹھاؤ اور انہیں حسنِ اخلاق کی تعلیم دو۔

مراتبُ الرجال بالفضل والكمالِ لا بتقادم الازمنة والرجال۔

إن العلماء معظمون لعلمهم۔

علمائے کرام کی عظمت ان کی علم کی وجہ سے کی جاتی ہیں۔

یہ تقسیم و درجہ بندی فضل و کمال کے اعتبار سے ہے، تقدم زمانی اور اَفراد کے اعتبار سے نہیں۔

کیوں کہ عموماً یہی دیکھنے میں آتا ہے، اگر کوئی شخص ایک پہلو پر کما حقہ کمال رکھتا ہے تو دوسرے پہلو پر اس کی علمیت محدود ہوتی ہے۔

نیز کتب فقہ سے استفادہ کرنے والوں کے لیے اساسی طور پر طبقات کا معلوم کرنا بہت ضروری ہے تاکہ مفتی کو فتویٰ دیتے وقت کتب فقہ کے درجات کی طرف رجوع آساں ہوجائے۔ اور اس درجہ بندی کے وجہ سے قارئین میں ایک تازہ روح پیدا ہوجائے گی تاکہ مجتہدین، اصحاب، الترجیح اور اصحاب التمیز میں ایک خط امتیاز آجائے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآنِ کریم کی حفاظت کے ساتھ ساتھ احادیث نبویہؐ کی بھی حفاظت کی اور انہیں اپنے شاگردوں تک پہنچایا جو ''تابعین'' کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ جن میں سے ایک بہت بڑی جماعت نے اپنے آپ کو اسی مقصد کے لیے وقف کردیا جو ''محدثین'' کے نام سے مشہور ہوئے۔ پھر ان محدثین حضرات نے ان احادیث کو مختلف انداز میں جمع کیا، بعضوں نے فقہی ابواب پر، بعضوں نے فقہی ابواب کے ساتھ عقائد، تفسیر، آداب، تاریخ اور فضائل کی احادیث کو بھی جمع کیا، بعضوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ترتیب سے، بعضوں نے اپنے مشائخ کی ترتیب سے احادیث کو جمع کیا اور احادیث کے یہ مجموعے جوامع، سنن، مسانید، معاجم وغیرہ مختلف ناموں سے مشہور ہوئے اور بیسیوں کتابیں کئی کئی جلدوں میں وجود میں آئیں پھر ان احادیث کی حفاظت اور صحیح احادیث کی پہچان کے لیے بیسیوں علوم ایجاد ہوئے جن میں ایک اہم علم ''علم الرجال'' کا ہے، جس میں ہر حدیث کے نقل کرنے والے راویوں کے حالات جمع کیے گئے ہیں اور اس طرح لاکھوں انسانوں کے تراجم جمع ہوگئے ہیں، جو اس اُمت کا اِمتیازی علم ہے۔ (حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر رحمہ اللہ)

متن حدیث حل کرنے کے بنیادی اصول

مولانا مفتی محمد طارق محمود

حدیث کی سند کا ثمرہ اور مطلوب اس کا متن ہوتا ہے۔متن کی مراد سمجھنے میں ہمیں بسا اوقات دشواری پیش آتی ہے ۔یہاں اس کے اسباب اوران کے حل کے بارے میں اہل علم کا کلام پیش کیا جارہا ہے۔

ا: حدیث کا اسلوب بیان: مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: زیادہ تر احادیث کی حیثیت یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجلسی ارشادات اورافادات ہیں یا آپ کے سامنے پیش ہونے والے سوالات کے جوابات ہیں یا کسی وقتی مسئلہ سے متعلق ہدایات اور تنبیہات ہیں۔اس لیے اس موقع وماحول اور مخاطبین کے احوال وخصوصیات کو پیش نظر رکھ کر ان کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔اگر احادیث کی اس حیثیت کو پیش نظر نہ رکھا جائے اور مصنفین کی لکھی ہوئی کتابوں کی طرح ان پر بھی غور کیا جائے تو طرح طرح کی الجھنیں اور شکوک پیدا ہوسکتے ہیں۔اوراگر یہ نکتہ ملحوظ رکھا جائے تو ان شاءاللہ کوئی الجھن اور کوئی وسوسہ پیدا نہ ہوگا۔(معارف الحدیث:۱/ ۲۵)

اس سے معلوم ہوا کہ ہر حدیث کو ایک مستقل ہدایت اور نصیحت کے طور پر دیکھنا چاہیے،اوراس وقت کے خاص پس منظر کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

۲: روایت حدیث کی دو اہم خصوصیات: روایت بالمعنی اور اختصار : حافظ ابن صلاح رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ذلک هو الذی تشهد به احوال الصحابة والسلف الاولین وکثیرا ما کانوا ینقلون معنی واحدافی امر واحد بالفاظ مختلفة وماذلک الا لان معولهم کان علی المعنی دون اللفظ ۔(مقدمۃ ابن صلاح : ص ۲۱۴) صحابہ اور سلف اولین کے احوال سے روایت بالمعنی کا جواز ہی معلوم ہوتا ہے۔اوران کا عام طریقہ یہ تھا کہ ایک واقعے کو مختلف الفاظ میں نقل کرتے تھے۔اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ معنی محفوظ رکھتے تھے نہ کہ لفظ۔حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نقل بالمعنی بغیر الفاظ شائع ذائع ہے۔(تالیفات رشیدیہ:ص ۲۳ ۷) حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے: روایت بالمعنی اور اختصار روایت میں تفقہ کی اشد ضرورت سمجھی گئی ہے ،جس کا اقرار خود محدثین کو بھی ہے۔(مکتوبات شیخ الاسلام: ۳/ ۵۵) اختصار روایت میں بعض دفعہ ایسا تغیر ہوجاتا ہے کہ حدیث کا سیاق سباق کے معارض ہوجاتا ہے۔(مثلا دیکھیے: مکتوبات شیخ الاسلام: ۳/ ۵۳- ۵۵)

یہی وجہ ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: الحدیث اذا لم تجمع طرقه لم تفهمه والحدیث یفسر

بعضه بعضا۔ (الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع: ۲/ ۲۱۲) حدیث کے طرق جب تک اکٹھے نہیں کرو گے اسے سمجھ نہیں سکو گے اور حدیث (کے طرق) ایک دوسرے کی تفسیر کرتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وکثیرا ما یکون القید مذکورا فی بعض الطرق ،ویغفل عنه الناس ویقعون فی الاشکالات۔ (فیض الباری: ۶/ ۵۷، باب ما یذکر فی الطاعون) بسا اوقات قید کی ایک طریق میں مذکور ہوتی ہے اور لوگ اس سے بے خبر ہوتے ہیں اور اشکالات میں پڑتے ہیں۔

اختصار روایت کی وجہ سے کبھی یہ صورت پیش آتی ہے کہ ہر راوی روایت کا کچھ حصہ بیان کر دیتا ہے جو دوسرا بیان نہیں کرتا۔ یعنی ذکر کل مالم یذکرہ الآخر۔ حضرت کشمیری رحمہ اللہ اس قاعدے کے بارے میں فرماتے ہیں: هذه قاعدة مهمة وكان من المهم ان يعتنى بها ارباب المصطلح ولكن اغفلوها وقدتعرض لها الحافظ فی الفتح اکثر من موضع۔ (معارف السنن: ۶/ ۴۳۲) یہ اہم قاعدہ ہے۔ ارباب مصطلح کو اس کا اہتمام کرنا چاہیے تھا لیکن انھوں نے اسے چھوڑ دیا۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ایک سے زائد جگہوں پر اس کا ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: والاصل عدم التعدد مع اتحاد المخرج۔ (فتح الباری: ۹/ ۶۴۲) حدیث کا مخرج ایک ہونے کی صورت میں اصل عدم تعدد ہے۔

۳: تعامل کو ملحوظ رکھنا: روزمرہ پیش آنے والے امور میں اصل قرون ثلاثہ کا عملی رواج ہے۔ یہاں تعامل چھوڑ کر اخبار آحاد پر اکتفاء کر لینا درست نہیں۔ حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ولیس الطریق ان یبنی الدین علی کل لفظ جدید بدون النظر الی التعامل۔ ومن یفعل ذلک لا یثبت قدمه فی موضع ویخترع کل یوم مسئلة فان توسع الرواة معلوم واختلاف العبارات والتعبیرات غیر خفی فاعلمه۔۔۔۔ فلا بد ان یراعی مع الاسناد التعامل ایضا، فان الشرع یدور علی التعامل والتوارث۔ (فیض الباری: ۲/ ۲۳۷، باب الزاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم فی الصّف) اور یہ طریقہ درست نہیں کہ ہر نئے لفظ پر حکم کی بنیاد رکھی جائے تعامل سے قطع نظر کر کے۔ جو ایسے کرے گا اس کا پاؤں کہیں جمے گا نہیں۔ وہ روزانہ نیا مسئلہ نکالے گا۔ کیونکہ رواۃ کا توسع معلوم ہے اور عبارات والفاظ کا اختلاف مخفی نہیں۔ پس اسے جان لو!۔ پس سند کے ساتھ تعامل کی رعایت رکھنا ضروری ہے، کیونکہ شریعت کا دارومدار تعامل وتوارث پر ہے۔

۴: مجلس اول کے قرائن کا استحضار: حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بات طے شدہ ہے کہ جب کسی مجلس میں کوئی کلام ہوتا ہے تو اس مجلس میں بعض قرائن ایسے ہوتے ہیں جن سے متکلم کی مراد بخوبی واضح ہو جاتی ہے جیسے کلام کا سابق ولاحق، قرائن حال، الفاظ کا تقدم وتاخر، لب ولہجہ آنکھ، سر یا ہاتھ کی حرکت۔ اگرچہ الفاظ

میں دوسرے معنی کا بھی احتمال ہوتا ہے۔ پھر جب وہ کلام تحریری یا زبانی نقل کیا جاتا ہے اور ان قرائن میں سے بعض بالکل ختم ہوجاتے ہیں تو اس وقت اسی کلام سے متکلم کی مراد مخفی ہوجاتی ہے اور معنی غیر مراد متبادر ہوجاتے ہیں۔ اس طرح دوسری مجلس کے سامعین اس کلام کے وہ معنی متعین کرلیتے ہیں جو کہ متکلم کی مراد نہیں تھے۔ مگر مجلس اول کے حاضرین اور ان حاضرین سے سننے والے مراد متکلم جانتے ہیں اور دوسرے متبادر معنیٰ کو غلط سمجھتے ہیں۔ اور مجلس اول کے بھی وہ حاضرین جن کو ان قرائن سے ذہول ہوا ہے وہ معنی غیر مراد سمجھ جاتے ہیں۔ یہ قاعدہ نہایت کارآمد اور نہایت صحیح ہے۔ اور احادیث میں اس کی بہت مثالیں موجود ہیں۔ اور اس قاعدہ کے ذہول سے بہت اختلافات علماء میں پیدا ہوگئے ہیں۔ (تالیفات رشدیہ: ص ۱۸۷ بتسہیل واختصار) للہ در الشیخ، ثم للہ درہ، ما ادق نظرہ، وما اسد فہمہ! اور اب مجلس اول کے قرائن کے استحضار کی صورت یہی ہے کہ سب طرق اکٹھے کیے جائیں، مرفوعات کے ساتھ موقوفات ومقطوعات کو بھی ملایا جائے اور تعامل کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔

۵: خبر واحد کو کتاب اللہ سے تطبیق دینا ضروری ہے: دلائل کے مرتبے مختلف ہوتے ہیں۔ ان کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔ بعض دفعہ خبر واحد کے ظاہری معنیٰ قرآن مجید کے خلاف ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں خبر واحد کو کتاب اللہ سے تطبیق دی جاتی ہے یا اسے ترک کردیا جاتا ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کے بارے میں نسیان یا خطا کی) تاویل کرنے اور آیت سے دلیل لینے سے معلوم ہوا کہ خبر واحد کو کتاب اللہ سے تطبیق دینا ضروری ہے ورنہ اس کے مقابلے میں اسے چھوڑ دیا جائے گا۔ (دیکھیے: الکوکب الدری: ۲/ ۱۷۸)

۶: احتمال غیر ظاہر کا اعتبار نہیں: حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمامہ کے شملہ کو بین الکتفین چھوڑتے تھے۔ ایک طالب علم نے شملہ کو آگے سینہ پر ڈال کر کہا کہ بین الکتفین اس طرح بھی تو ہوسکتا ہے۔ مولانا (محمد مظہر نانوتوی رحمہ اللہ) نے فوراً اس کی پگڑی گھما کر اور شملہ بالکل ناک کے سامنے لٹکا کر فرمایا کہ بین الکتفین یوں بھی تو ہوسکتا ہے۔ مطلب یہ کہ حدیث وقرآن میں ایسے احتمالات غیر ظاہرہ کا اعتبار نہیں۔ (ملفوظات حکیم الامت: ۱۱/ ۲۴۲)

۷: حدیث کا اصلی مدلول: حضرت مولانا محمد اشرف تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قرآن وحدیث کا مدلول جو بے تکلف ماہر کے ذہن میں آئے وہ صحیح ہے۔ اس کے بعد اپنے اہواء کی نصرت ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت: ۲۳/ ۸۹) اور فرمایا: صحبت (اولیاء اللہ کی) تو وہ چیز ہے کہ اس سے ذوق صحیح پیدا ہوکر قرآن وحدیث کا مدلول سمجھ میں آنے لگتا ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت: ۴/ ۲۵۲) اور ارشاد ہے: مفتی الٰہی بخش صاحب رحمہ اللہ حضرت سید

(احمد شہید) صاحب رحمہ اللہ کے معتقد خاص تھے۔ کسی کے سوال پر مفتی صاحب نے فرمایا کہ سید صاحب کے تعلق سے پہلے بھی قرآن وحدیث پڑھے ہوئے تھے۔ اب بھی وہی قرآن وحدیث پڑھتے ہیں مگر فرق یہ ہے کہ وہی قرآن وحدیث پہلے اور طرح کا نظر آتا تھا اب اور طرح کا نظر آتا ہے۔ سو یہ چیز بزرگوں کی صحبت سے ملتی ہے۔ مگر افسوس اتنی بڑی چیز کو لوگ چھوڑے ہوئے ہیں اور صحبت اختیار نہیں کرتے۔ بڑا ناز ہے علم پر کہ ہم عالم ہو گئے! یاد رکھو بِدوں اپنے کو مٹائے کچھ نہیں ہوتا! (ملفوظات حکیم الامت: ۳۵۶/۴) اور فرمایا: حقیقت میں علم وہ ہے جو تقویٰ سے بڑھتا ہے۔ (خطبات حکیم الامت: ۲۲۱/۲) یعنی علم کی حقیقت قرآن وحدیث کی صحیح سمجھ ہے، نہ کہ معلومات یاد ہو جانا۔ ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فليس العلم بكثرة الرواية ولا بكثرة المقال، ولكنه نور يقذف في القلب يفهم به العبد الحق ويميز به بينه وبين الباطل، ويعبر عن ذلك بعبارات وجيزة محصلة للمقاصد۔ (بیان فضل علم السلف: ص ۵۸) تو علم کثرت روایت سے نہیں آتا اور نہ زیادہ بولنے سے۔ لیکن وہ ایک نور ہے جو دل میں ڈالا جاتا ہے جس سے آدمی حق سمجھ لیتا ہے اور اس کے اور باطل میں فرق کر لیتا ہے اور اس کو مختصر الفاظ سے تعبیر کر لیتا ہے جو مقاصد ادا کرنے والے ہوں۔

۸: احادیث میں مذکور اعمال کی خاصیتوں کے معانی: حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قرآن وحدیث میں جو مختلف اعمال واحوال کی خاصیتیں مذکور ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں فی نفسہٖ یہ خاصیت ہے۔ باقی اگر کوئی معارض قوی ہوا تو ظاہر ہے کہ اس معارض کا اثر غالب ہو جائے گا۔ غرض ان میں اثر ضرور ہے بشرطیکہ کوئی معارض قوی نہ ہو۔ یہ حضرت مولانا (محمد) یعقوب صاحب کی تحقیق ہے جو میں نے کہیں منقول نہیں دیکھی۔ سبحان اللہ قرآن وحدیث پڑھے تو ایسے سے پڑھے۔ دیکھیے اس تحقیق سے ہزاروں بلکہ لاکھوں نصوص جن میں مختلف اعمال واحوال کے فضائل مذکور ہیں حل ہو گئیں۔ (ملفوظات حکیم الامت: ۱۷۴/۹، ۱۷۵)

۹: حدیث میں بعض چیزیں بطور مروت مذکور ہوتی ہیں: بعض اشیاء احادیث میں آتی ہیں لیکن وہ مروت وحسنِ معاملہ کے طور پر ہوتی ہیں۔ ان سے کوئی عام فقہی حکم نہیں لینا چاہیے۔ (دیکھیے: فیض الباری: ۷۸/۲)

۱۰: مخاطب کی خصوصیت کے لحاظ سے ارشاد: بعض دفعہ مخاطب کی خصوصیت کے لحاظ سے جواب ہوتا ہے۔ جیسے مثلاً افضل عمل کے سوال کے جواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف جوابات ارشاد فرمائے ہیں۔ ان کی وجہ مخاطب کی خصوصیت ہے۔ (دیکھیے: فتح الباری: ۹/۲)

مدارس کی رجسٹریشن: حقیقت

مولانا مفتی منیب الرحمن

ایک اخبار میں وفاقی وزارتِ تعلیم کے ڈائریکٹر جنرل برائے مذہبی تعلیم میجر جنرل (ر) ڈاکٹر غلام قمر کا ایک مضمون "مدارس کی رجسٹریشن: حقیقت اور افسانہ" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ "افسانہ" تو آپ پڑھ چکے ہوں گے' اب "حقیقت" پیشِ خدمت ہے:

(1) پرویز مشرف کے زمانے میں اتحادِ تنظیماتِ مدارس پاکستان کے ساتھ باقاعدہ ایک معاہدے کے تحت سوسائٹیز ایکٹ 1860 میں مدارس کی رجسٹریشن کیلئے دفعہ 21 کا اضافہ کیا گیا تھا' بعد کو 2005ء میں اسے پارلیمنٹ' چاروں صوبائی اسمبلیوں اور آزاد کشمیر اسمبلی سے ایکٹ کی صورت میں پاس کیا گیا اور پھر اس کے تحت تمام مدارس کی رجسٹریشن ہوئی۔ اس کے لیے اُس وقت کے صدر پرویز مشرف کے ساتھ اتحادِ تنظیماتِ مدارس پاکستان کے قائدین کا چار گھنٹے پر محیط طویل اجلاس ہوا اور اُس کے بعد اتفاقِ رائے سے فیصلہ ہوا۔ اجلاس میں اُس وقت کے ڈی جی آئی ایس آئی' صدر کے چیف آف سٹاف' وفاقی وزیرِ مذہبی امور اور سیکرٹری مذہبی امور بھی موجود تھے۔ تنظیماتِ مدارس کی پانچوں تنظیموں نے ہر ضلع میں اپنے رابطہ کار مقرر کیے اور ایک مہم کے تحت تمام مدارس کی رجسٹریشن ہوئی۔ بعد کو ایک مرحلے پر آ کر حکومت نے خود اس سلسلے کو موقوف کر دیا' اس کی ذمہ داری تنظیماتِ مدارس اور مدارس پر عائد نہیں ہوتی۔

(2) وفاقی وزارتِ تعلیم کا تنظیماتِ مدارس کے ساتھ جو معاہدہ ہوا' اُس کی بابت طے ہوا تھا: اتفاقِ رائے سے قواعد وضوابط مرتب کیے جائیں گے' دائرہ کار کا تعین ہوگا' قانون سازی کی جائے گی' لیکن اس سارے کام کو ادھورا چھوڑا' تنظیماتِ مدارس کو بائی پاس کیا' ایک ڈیسک قائم کر کے ایک فوجی افسر کو ڈائریکٹر جنرل بنایا اور رجسٹریشن شروع کر دی گئی۔ حالانکہ نہ اس کی کوئی قانونی اساس ہے' نہ یہ معلوم ہے کہ اس ڈائریکٹوریٹ کا مدارس کے ساتھ تعامل کا طریقہ کار کیا ہے۔ کوئی بتائے! اس ڈائریکٹوریٹ نے مدارس کے نظم کو بہتر بنانے کے لیے کیا کارنامہ انجام دیا اور کون سا ہمالیہ سر کیا ہے؟۔

(3) ہمیں پہلے ہی وارننگ دے دی گئی تھی: اگر آپ اچھے بچے بن کر اور آنکھیں بند کر کے ہماری ہر بات کو تسلیم نہیں کریں گے' تو ہم آپ کے مقابل نئے بورڈ بنا کر آپ کی تنظیمات کو شکست وریخت سے دوچار کریں گے۔ یہ

تنبیہ ادارے سے وابستہ ایک صاحب نے دی تھی' جو بعد کو ترقی پا گئے اور اب ان کی پوسٹنگ تبدیل ہوگئی ہے۔ اُن صاحب نے ایک ایک ادارے میں جا کر پیشکش کی: آپ اپنی اپنی تنظیم سے تعلق ختم کریں' ہم آپ کو بورڈ بنا دیں گے' الغرض بورڈ ''ریوڑیوں'' کی طرح بٹنے لگے۔ کرائے نامے کی طرح ادارے کا نام ڈالا' بٹن دبایا اور بورڈ وجود میں آ گیا۔ اس کیلئے کوئی طریقہ کار' معیار اور استعداد الغرض کچھ بھی نہیں دیکھا گیا۔

جامعہ منہاج القرآن لاہور کی اسناد پہلے سے تسلیم شدہ تھیں' اُن کی اپنی یونیورسٹی بھی ہے' لیکن انہیں ایک اور بورڈ نظام المدارس کے نام سے عطا کر دیا گیا۔ جامعہ نعیمیہ لاہور تنظیم المدارس کے ساتھ ملحق ہے' اُس کے مہتمم ڈاکٹر راغب حسین نعیمی ہماری عاملہ' امتحانی بورڈ اور مالیاتی کمیٹی کے رکن ہیں اور اُن کے طلبہ اب بھی تنظیم المدارس کے تحت امتحانات دیتے ہیں' حالانکہ اُن کے ادارے کو بورڈ کا درجہ حاصل ہے۔ محکمہ تعلیم کے قائم کیے ہوئے ان بورڈوں کے پیچھے نہ کوئی قانون سازی ہے اور نہ کوئی قانونی حیثیت ہے' بس ایک سرکلر کی پیداوار ہیں۔ کئی ادارے جو پانچوں تنظیمات کے ساتھ ملحق ہیں' اُن میں سے بعض خوف سے اور بعض چمک دیکھ کر نئے بورڈوں کی طرف لپکے' لیکن واپس اپنی اصل کی طرف آ گئے۔ وزارتِ تعلیم کے پاس کوئی حقیقی اعداد و شمار نہیں ہیں' بعض نام تنظیمات اور اُن کے درمیان مشترک ملیں گے' لیکن اُن کا نظامِ امتحان ہمارے ساتھ منسلک ہے۔ کئی مکاتبِ تعلیم القرآن کو مدارس کے طور پر رجسٹرڈ کر دیا گیا' حالانکہ 2005ء کے ایکٹ میں لکھ دیا گیا تھا: ''مدرسہ صرف وہی کہلائے گا' جس میں طلبہ و طالبات کیلئے قیام و طعام کی سہولتیں موجود ہوں'' جہاں طلبہ روزانہ آتے ہیں اور پڑھ کر چلے جاتے ہیں' ان پر مدرسے کا اطلاق نہیں ہوگا۔ ہم نے تجویز دی تھی: عصری تعلیم کو رضا کارانہ رکھیں' جن مدارس میں گنجائش ہے' ہم خود ان کو ترغیب دیں گے' لیکن محض دینی تعلیم دینے کو جرم قرار نہ دیں' ہمارے ملک میں تو تعلیم سے مکمل محرومی بھی جرم نہیں ہے۔

(4) وزارتِ تعلیم جس مدرسے کا الحاق کرتی ہے' اس کی شرائط میں لکھا ہوتا ہے: ''انٹرمیڈیٹ تک عصری تعلیم بھی دی جائے گی''، ہمیں برسرِ زمین بتایا جائے کہ اُن کے دعوے کے مطابق اُن کے پاس رجسٹرڈ 17552 مدارس میں سکول کی باقاعدہ تعلیم کہاں کہاں ہو رہی ہے تاکہ ہم بھی زیارت کر سکیں۔ ہمارا مطالبہ ہے: ان مدارس کو جو 1196 اساتذہ مہیا کیے گئے ہیں' ان کا فرانزک آڈٹ کرایا جائے۔ میڈیا کے لوگوں کو مدارس و جامعات کی بڑی فکر لاحق رہتی ہے اور انہیں جاسوسی صحافت کا بڑا دعویٰ ہوتا ہے' اُن سے گزارش ہے: ازراہِ کرم سراغ لگا کر ہمیں بھی بتائیں کہ وفاقی وزارتِ تعلیم سے ملحق ان 17552 مدارس میں انٹرمیڈیٹ کی سطح تک تعلیم کہاں کہاں دی جا رہی ہے۔ ڈاکٹر غلام قمر صاحب کے دعوے کے مطابق 598 مدارس میں 1196 اساتذہ فراہم کیے گئے ہیں' اس کی بابت ہمارے

چند سوالات ہیں:

(الف) 17552 مدارس میں سے 598 منہا کرلیں تو باقی 16954 مدارس کا کیا بنا' نیز جامعہ محمدیہ غوثیہ بھیرہ' منہاج القرآن اور جامعۃ الرشید کے نیٹ ورک کو نکال کر ہمیں وہ 598 مدارس بتائے جائیں' جہاں انٹرمیڈیٹ کی سطح تک تعلیم دی جارہی ہے' کیونکہ محکمۂ تعلیم مدرسے کی رجسٹریشن کرتے وقت پابند بناتا ہے کہ اس مدرسے میں انٹرمیڈیٹ تک تعلیم دی جائے گی۔ (ب): 102600 طلبہ کو جو کتابوں کے سیٹ مہیا کیے گئے ہیں' اُن کو تعلیم کہاں دی جارہی ہے؟' ہم ان کے نظامِ تعلیم کو دیکھنے کے بے حد مشتاق ہیں۔ ڈاکٹر غلام قمر سے گزارش ہے: ہمیں مذکورہ بالا تینوں اداروں کو چھوڑ کر دیگر اداروں کی فہرست فراہم کردیں تاکہ ہم ان کا نظام دیکھ سکیں' (ج): نیز ہمیں رُوئے زمین پر کوئی ایسا ایک مدرسہ یا سکول بتایا جائے' جہاں دو اساتذہ پہلی سے بارہویں جماعت تک تعلیم دیتے ہوں' شاید ڈاکٹر غلام قمر صاحب کسی کرامت سے یہ کارنامہ انجام دے دیتے ہوں' عملی دنیا میں تو ایسا ممکن نہیں ہے۔

دینی مدارس طلبہ کی کفالت کرتے ہیں' ان کے علاج کا بھی انتظام کرتے ہیں' مفت کتب فراہم کرتے ہیں اور تعلیم دیتے ہیں۔ امریکہ اور اقوامِ متحدہ کی تعریف کے مطابق خواندگی آپ کی سکولوں اور کالجوں کی اسناد اور ڈگریوں کا نام نہیں ہے' بلکہ اُن کے نزدیک خواندگی کی تعریف یہ ہے: ''جو لکھ سکے' لکھے ہوئے کو پڑھ سکے' اپنا مُدّعا اور مافی الضمیر تحریراً و تقریراً بیان کرسکے اور دوسرے کا موقف سننے اور سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو''۔ الحمدللہ! مدارس یہی خواندگی اپنے طلبہ کو دیتے ہیں' کسی بھی معیار پر پرکھ لیا جائے۔ لیکن مدارس سے عصری تعلیم کا مطالبہ وہ حکومت کررہی ہے' جن کے اپنے اعداد و شمار کے مطابق ملک کے لگ بھگ تین کروڑ بچے سکول کی چار دیواری کے قریب بھی نہیں پھٹکتے' وہ کسی ورکشاپ میں ''چھوٹو'' بن کر' کسی چائے خانے پر ''کاکا'' بن کر یا گھروں میں کام کرنے پر مجبور ہیں۔ بعض وہ بھی ہیں جو کوڑے کے ڈھیر پر روزی تلاش کرتے ہیں۔ انکا درد بشمول ڈاکٹر صاحب حکمرانوں کو بے چین نہیں کرتا۔ دینی مدارس کے طلبہ تو باعزت ماحول میں رہتے ہیں۔ میرے ادارے سے متصل حکومت کا ایک سیکنڈری سکول اور ایم ایڈ کی سطح تک ایک کالج آف ایجوکیشن ہے۔ میرے پاس جب ملکی یا غیر ملکی میڈیا کے لوگ آتے ہیں تو میں اُن سے کہتا ہوں: پہلے ان سرکاری اداروں کا صفائی ستھرائی اور حفظانِ صحت کے اصولوں کے مطابق ماحول دیکھیں' پھر ہمارے ہاں آئیں' رہائشی کمرے دیکھیں' کلاس روم دیکھیں' واش روم دیکھیں اور کچن اور کھانے کا کمرہ دیکھیں' فرق معلوم ہوجائے گا۔

(5) مولانا مفتی محمد تقی عثمانی اور مولانا محمد حنیف جالندھری نے بتایا: وہ ایک ہفتے تک اسلام آباد میں مقیم رہے' چیف آف آرمی سٹاف' ڈی جی آئی ایس آئی' ڈی جی سی سے اُن کی ملاقاتیں ہوئیں' سب امور پر اتفاق ہوگیا'

مگر پی ڈی ایم حکومت کے آخری دن اچانک پارلیمنٹ سے چوبیس گمنام یونیورسٹیوں کے چارٹر تو منظور کر لیے گئے، لیکن اتفاقِ رائے کے باوجود مدارس کی رجسٹریشن کا بل آخری مرحلے میں روک دیا گیا حالانکہ اس امر پر اتفاق ہو گیا تھا: مدارس کو آزادی ہے: وہ سوسائٹیز ایکٹ کی دفعہ 21 کے تحت رجسٹریشن کرائیں یا وزارتِ تعلیم کے تحت کرائیں۔

(6) ہماری معلومات کے مطابق ایف اے ٹی ایف کی شرط یہ ہے: ''مالی معاملات شفاف ہوں، اندرون و بیرونِ ملک سے آنے والی رقوم دہشتگردی اور منی لانڈرنگ کیلئے استعمال نہ ہوں''۔ منی لانڈرنگ سے مراد رقوم کی غیر قانونی ترسیل ہے مگر یہ تب ہوسکتا ہے جب بینک اکاؤنٹس کی سہولت ہو، رقوم بینک میں جمع ہوں اور نکالی جائیں۔ یوں ہر چیز ریکارڈ پر ہوگی اور پورا نظام شفاف ہوگا لیکن جب بینک اکاؤنٹس کا راستہ ہی بند کر دیں گے تو شفافیت کہاں سے آئے گی۔ میں نے سٹیٹ بینک کے گورنر اور ڈپٹی گورنر سے ملاقات کی اور انہیں یہ مسئلہ بتایا: انہوں نے اتفاق کیا کہ شفافیت تو بینک اکاؤنٹ سے آئے گی۔ الغرض بینک اکاؤنٹس بند کر کے شفافیت کے امکانات کو ختم کیا جا رہا ہے، نہیں معلوم یہ دانش کہاں سے آئی ہے۔

(7) حکومت چاہتی ہے: کاروباری معیشت کو دستاویزی بنایا جائے، لین دین کے تمام معاملات شفاف ہوں، فروخت کنندہ و خریدار اور قیمت کا پتا ہو تاکہ اُس کیلئے ٹیکس وصول کرنا آسان ہو جائے، لیکن کاروباری لوگ اس راہ میں مزاحم ہیں۔ اس کے برعکس دینی مدارس و جامعات بینک میں اکاؤنٹ کھولنا چاہتے ہیں، تو خود حکومت اس کی راہ میں مزاحم ہے اور زمین کی تہہ سے شفافیت برآمد کرنے کے خواب دیکھ رہی ہے۔ شاعر نے کہا ہے:

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ ای
باز می گوئی کہ دامن تر مکُن، ہشیار باش

ترجمہ: ''مجھے دریا کے وسط میں ایک تختے پر بٹھا دیا ہے اور پھر کہتے ہو: ہشیار رہو! دامن پر پانی کی کوئی چھینٹ نہ پڑے''۔ یہاں بھی مسئلہ یہی ہے: بینک میں اکاؤنٹ نہیں کھل سکتا، لیکن نظام شفاف ہونا چاہیے۔ مدارس آمادہ ہیں، مگر شفافیت کی دعویدار حکومت راستے مسدود کر رہی ہے۔ یہ تضاد سمجھ سے بالاتر ہے۔

(8) ڈاکٹر غلام قمر نے فرمایا ہے: 1860ء کا سوسائٹیز ایکٹ تو انگریز نے اپنے فائدے کیلئے بنایا تھا'' کوئی مردِ دانا ڈاکٹر صاحب کو بتائے: آپ کے تمام فوجداری اور دیوانی قوانین اور اُن کے ضوابط انگریزوں سے ہی ورثے میں ملے ہیں، ان سب کو دریا بُرد کیوں نہیں کر دیتے۔ یہ نہیں دیکھا جاتا: قانون کس نے بنایا ہے، یہ دیکھا جاتا ہے: قانون درست ہے یا نہیں ہے۔ اسی ایکٹ کے تحت ہمارے ملک میں لاکھوں ادارے قائم ہیں اور وہ سب

قانونی شمار ہوتے ہیں‘ ان کو ''غیر قانونی'' کہنے والے ڈاکٹر صاحب پہلے شخص ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ''یہ مت دیکھو کہ کس نے کہا‘ یہ دیکھو کہ کیا کہا ہے''، یعنی قائل کو نہیں‘ قول کو دیکھو اور اس کا درجہ متعین کرو۔ ڈاکٹر غلام قمر صاحب کے بیان کردہ فلسفے کے مطابق تو سوسائٹیز ایکٹ کو قانون کی کتاب سے حذف کر دینا چاہیے۔

(9) الحمدللہ علیٰ احسانہٖ! آج بھی دینی مدارس کی اسّی فیصد تعداد اتحادِ تنظیماتِ مدارس پاکستان کی پانچ تنظیمات میں سے کسی ایک کے ساتھ وابستہ ہے‘ وہ ان کی قیادت پر اعتماد کرتے ہیں اور قیادت کی ذمہ داری ہے کہ اُن کی حریتِ فکر و عمل کا تحفظ کریں۔ ہم فیٹف کے کارپردازوں کے ساتھ بھی بات کرنے کیلئے تیار ہیں‘ وہ آئیں‘ ہمارے اداروں کو دیکھیں‘ ہر چیز شفاف اور کھلی کتاب کی طرح ہے۔

(10) ہماری پریس کانفرنس کے بعد وائس آف امریکہ نے بھی پروگرام کیا‘ ایسے لوگ اکثر زمینی حقائق سے نابلد رہتے اور مفروضوں پر بات کرتے ہیں۔ انہوں نے ڈاکٹر عامر طاسین کے حوالے سے نیکٹا کا حوالہ دیا۔ نیکٹا کے ساتھ ہم نے میٹنگ کی تھی۔ اس وقت کے نیکٹا کے سربراہ کے ساتھ مل کر ہم نے خود ڈیٹا فارم مرتب کیا اور دینی مدارس کی پانچوں تنظیمات سے اس کی منظوری لی‘ لیکن پھر چراغوں میں روشنی نہ رہی۔ ہم بیسویں صدی کے آخری عشرے سے مذاکرات کے ہر سلسلے کا حصہ رہے ہیں‘ پوری تاریخ ہمیں ازبر ہے‘ افسرانِ والاشان تو بدلتے رہتے ہیں۔ علامہ اقبال نے کہا تھا:

حقیقتِ اَبدی ہے مقامِ شبّیری
بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی

مسئلے کا حل یہ ہے: فیصلے کا اختیار رکھنے والی شخصیات ہمارے ساتھ بیٹھیں‘ ہماری گزارشات سنیں‘ مسئلے کا حل نکل آئے گا‘ لیکن اُن کے دامِ تزویر میں نہ آئیں‘ جن کا اصل مشن اپنی کرسی بچانا ہے۔ وزیراعظم شہباز شریف تو ہم سے سو فیصد اتفاق کر چکے تھے‘ لیکن حقیقی فیصلے کا اختیار انہیں حاصل نہیں۔ شاعر نے کہا ہے: ''بات تو سچ ہے‘ مگر بات ہے رسوائی کی''۔ بصد ادب ان کا اختیار انگریزی کہاوت کے مطابق اس شوہر جیسا ہے‘ جس نے کہا تھا: میں اس گھر کا مالک ہوں اور یہ بات میں اپنی بیوی کی اجازت سے کہہ رہا ہوں۔

واضح رہے: اٹھارہویں آئینی ترمیم کے بعد تعلیم اور صحت کے محکموں کو مشترکہ فہرست سے نکال کر صوبوں کو منتقل کر دیا گیا ہے۔ ہر صوبے کا اپنا ٹیکسٹ بک بورڈ ہے‘ یہاں تک کہ پنجاب اور سندھ کے اپنے اپنے ہائر ایجوکیشن ہیں‘ پرائیویٹ یونیورسٹیوں کی طرح پرائیویٹ تعلیمی بورڈ بھی ہیں۔ وفاق کے تحت تو صرف وفاقی دارالحکومت اسلام آباد کے سکول‘ کالج آتے ہیں، ان کیلئے ایک ڈائریکٹوریٹ کافی ہے۔ وفاقی وزارتِ تعلیم اور اسکے تحت نوکر شاہی کا ایک

بڑا سلسلہ قومی خزانے اور ملکی معیشت پر بوجھ ہے' کیونکہ یونیورسٹیاں خودمختار ہیں' ان کے اپنے سنڈیکیٹ ہیں' ہائر ایجوکیشن کمیشن بھی خودمختار ہے۔ پس وفاقی وزارتِ تعلیم کے تحت قائم مذہبی تعلیم کا بورڈ پورے ملک کا احاطہ کیسے کرسکتا ہے'؟ جبکہ صوبائی نظم ونسق اُس کے دائرۂ اختیار سے باہر ہے' یہ بات بااختیار لوگوں کو کیسے سمجھائی جائے۔

2005ء میں اتفاقِ رائے سے منظور کردہ سوسائٹیز ایکٹ 1860 میں مدارس کی رجسٹریشن کیلئے جو سیکشن 21 کا اضافہ کیا گیا تھا' اُس میں دینی مدارس وجامعات یہ اقرارنامہ دینے کے پابند تھے: "مدارس میں عسکریت' انتہا پسندی اور مذہبی منافرت کی تعلیم نہیں دی جائے گی' البتہ تقابلِ مسالک وادیان کی نظریاتی تعلیم اس سے مستثنیٰ ہے' کیونکہ یہ تعلیم یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں میں بھی دی جاتی ہے"۔ دینی مدارس کا نصاب پونے تین سو سال سے چلا آرہا ہے' جہادِ افغانستان اور اس کے بعد جو عسکریت اور انتہا پسندی کا رجحان پیدا ہوا' اس کا اس نصاب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اِکّا دُکّا انتہا پسندی کے واقعات یونیورسٹیوں میں بھی رونما ہوجاتے ہیں' مثلاً: کراچی یونیورسٹی میں چینی پروفیسر کا قتل یا اسلام آباد کی سرکاری یونیورسٹیوں میں قوم پرست طلبہ کا تصادم وغیرہ' اس کا مدارس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نیز مدارس کا ماحول ایک عرصے سے پرسکون ہے' جبکہ سیاسی جماعتوں کا تصادم اور اس کے نتیجے میں اخلاقی زوال آخری حدوں کو چھورہا ہے۔ سوشل میڈیا کے ذریعے سیاسی نفرتوں کو گھر گھر پہنچادیا گیا ہے' خاندان سیاسی وابستگی کی بنیاد پر تقسیم اور افتراق کا شکار ہیں۔ ایسے میں مذہب ہی ایسی قوت ہے' جو لوگوں کو ایک لڑی میں پروسکتی ہے' لہٰذا مذہبی تعلیم کا فروغ ہماری قومی اور ملّی وحدت کو قائم رکھنے کیلئے بے حد ضروری ہے۔ جب پرویز مشرف کے زمانے میں روزانہ کی بنیاد پر خودکش حملے ہورہے تھے تو اُس وقت یہ راقم الحروف عاجز بندہ ہی تھا جس نے میڈیا کے سامنے آکر خودکش حملوں کے حرام ہونے کا فتویٰ ساٹھ سرکردہ علما کی تصدیق وتائید کے ساتھ جاری کیا۔ بعض علماء نے نتائج بھی بھگتے' لیکن ہمارے نظامِ حکومت وریاست میں وفا اور قدردانی کی قدریں ناپید ہیں۔ جب ذرا سکون ملتا ہے تو مدارس کی فکر لاحق ہوجاتی ہے۔ اس مضمون میں درج حقائق پر پانچوں تنظیمات کے قائدین کا اتفاق ہے۔

اتحاد تنظیمات مدارس نے ہر موقع پر مدارس کے مسائل کی بات کی، اہل مدارس کی مشکلات سے حکومتوں کو آگاہ کیا، اعلیٰ سطحی ملاقاتوں میں مختلف اداروں کے اہلکاروں کے توہین آمیز اور نامناسب طرز عمل کا گلہ کیا، چھوٹے مدارس اور عام درسگاہوں سے روا رکھے جانے والے سلوک کا مقدمہ بھرپور طریقے سے پیش کیا- ہماری دانست میں فوج اور مذہبی طبقات میں کسی قسم کی محاذ آرائی اسلام اور ملک دشمن عناصر کی خواہش تو ہوسکتی ہے لیکن ملک وملت کے مفاد میں ہرگز نہیں، اس لیے ہر ایک طبقے اور موقع کے اپنے اپنے تقاضے ہوتے ہیں اس لیے ہر چیز کو محض سطحی نظر اور ایک ہی زاویے سے نہیں دیکھنا چاہیے۔ (حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم)

مدارس دینیہ نعمت خداوندی

اشفاق اللہ جان ڈاگیوال

ہر معاشرے کی اپنی اپنی ضروریات ہوا کرتی ہیں، ان ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مختلف افراد اور ادارے خدمات سرانجام دیتے ہیں۔ صحت کے شعبے میں ڈاکٹرز اور اسپتال طبی ضروریات پوری کرتے ہیں، تعلیم کے شعبے میں اساتذہ اور تعلیمی ادارے تعلیمی ضروریات پوری کرتے ہیں، انتظامیہ ملک کے نظم ونسق کو چلانے کے لیے خدمات انجام دیتی ہے، سیکورٹی فورسز امن وامان کو برقرار رکھنے میں مدد ومعاون ثابت ہوتی ہیں، انصاف کے حصول کے لیے وکلاء اور عدالتیں اپنا کردار ادا کرتے ہیں، اسی طرح دیگر شعبے اور ان سے وابستہ افراد معاشرے کے لیے خدمات انجام دیتے ہیں۔ جس طرح عصری علوم کے ادارے اپنی خدمات انجام دیتے ہیں ایک مسلم معاشرے میں مذہبی تعلیم، خدمات اور ضروریات پورا کرنے کے دینی مدارس ضروری ہیں اور شکر الحمدللہ پاکستان میں دینی مدارس یہ کام بہترین انداز میں کر رہے ہیں۔ مدارس کی خدمات کا احاطہ صرف مذہبی ضروریات سے نہیں ہوتا بلکہ روحانی، اُخروی، دینی، مذہبی، شرعی اور معاشرتی ضروریات پوری کرنے کے لیے معاشرے کو ائمہ وخطباء، مفتیان کرام اور علماء کرام کی ضرورت پیش آتی ہے۔ پہلے پہل اس ضرورت کا اسلامی ریاستیں اور حکومتیں اہتمام کیا کرتی تھیں، اور ان مدارس سے علماء کرام اور مفتیان کرام کے علاوہ ماہرین تعلیم، ریاضی دان اور شعبہ طب کے ماہرین کے علاوہ ہر میدان کے شہسوار نکلتے تھے مگر حکومتوں کی عدم توجہی اور لاتعلقی اور وسائل کی کمی کی وجہ سے مدارس صرف دینی تعلیم تک محدود ہو گئے۔ علمائے کرام اور اہل خیر حضرات نے رضا کارانہ طور پر یہ ذمے داری اٹھائی اور اسے کما حقہ احسن انداز میں نبھا کر بھی دکھایا۔ اس وقت مسلم ممالک میں اقدار وروایات جس قدر بھی موجود ہیں بالخصوص ہمارے اس خطے میں کہیں کام کے اور کہیں نام کے جو مسلمان موجود ہیں بقول قدرت اللہ شہاب "انھی مدارس کے دم قدم سے ہیں"۔ مدارس کا آغاز مسجد نبوی سے ملحقہ درسگاہ صفہ کے چبوترے سے ہوتا ہے پھر تاریخ کے ہر دور میں ہمیں مختلف درسگاہیں اور دینی تعلیمی ادارے دکھائی دیتے ہیں اور وہاں کسب فیض کرنے والوں کے کردار وخدمات سے پوری تاریخ جگمگ جگمگ کرتی دکھائی دیتی ہے۔ بلاشبہ برصغیر پاک وہند میں اسلام تاجروں کے روپ میں آنے والے عربوں کے ذریعے آیا، اسے پھیلایا اولیاء کرام نے اور مدارس نے دین اسلام کو بچے بچے کے دل ودماغ میں اتارا۔ برصغیر پاک وہند میں ملا نظام الدین نے دینی مدارس کے نصاب ونظام کو باضابطہ منظم کرنے کی فکر سب سے پہلے

پیش کی، اسی لیے مدارس میں پڑھایا جانے والا نصاب درس نظامی کے نام سے معروف ہے۔ یوں تو برصغیر میں کئی دینی مدارس خدمات انجام دے رہے تھے جن کا فیض آج بھی پوری دنیا میں نظر آتا ہے لیکن قیام پاکستان کے بعد بہت سے نامی گرامی علمائے کرام نے اس نوزائیدہ اسلامی ریاست میں علم کی شمعیں روشن کرنا شروع کیں۔ ان کبار علماء میں مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے نانک واڑہ، کراچی میں دارالعلوم کراچی، شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمہ اللہ نے اکوڑہ خٹک میں دارلعلوم حقانیہ، مولانا مفتی محمد حسن امرتسری رحمہ اللہ نے نیلا گنبد لاہور میں جامعہ اشرفیہ، مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ نے ملتان میں خیر المدارس، مولانا حمداللہ جان ڈاگئی بابا جی رحمہ اللہ نے صوابی میں دارالعلوم عربیہ مظہر العلوم ڈاگئی اور مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے جامعہ بنوری ٹاؤن کی بنیاد کراچی میں رکھی۔ اس طرح ملک کے طول وعرض میں مدارس کا جال بچھتا چلا گیا۔ اس وقت پاکستان کے طول وعرض میں تیس ہزار سے زائد مدارس اپنی مدد آپ کے تحت ملک میں شرح خواندگی بڑھانے کے لیے لازوال کردار ادا کر رہے ہیں، ان مدارس کی سرپرستی کبھی کسی حکومت نے نہیں کی، نہ کبھی کسی مدرسے نے حکومت سے کوئی فنڈ لیا، الٹا حکومتوں کی جانب سے ان کی راہ میں روڑے اٹکائے جاتے ہیں، کبھی ان پر دہشت گردی کا لیبل لگانے کی کوشش کی جاتی ہے، کبھی رجسٹریشن کی آڑ میں انھیں دباؤ میں لانے کے لیے پر تولے جاتے ہیں، مگر یہ مدارس ہر آندھی اور طوفان کا مقابلہ کرتے آئے ہیں اور کر رہے ہیں، نامساعد حالات میں بھی جامِ علم وعرفاں بانٹ رہے ہیں اور ان شاءاللہ قیامت کی صبح تک اسی طرح بانٹتے رہیں گے، کئی طالع آزما آئے آج ان کا نام نشان بھی باقی نہیں، مگر مدارس آج بھی قائم ودائم ہیں۔ ان مدارس سے نکلنے والے لاکھوں ائمہ وخطباء اور مدرسین وعلماء معاشرے کا سب سے پرامن طبقہ ہوتا ہے، انہوں نے کبھی کم تنخواہ کا رونا رویا، نہ کبھی اپنے مطالبات کے لیے سڑکوں بازاروں میں نکل کر جلاؤ گھیراؤ کیا۔ قانون کا سب سے زیادہ احترام کرنے والا یہی طبقہ ہے جو مدارس دینیہ سے جڑا ہے۔ دوسری جانب آپ عصری تعلیم کے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کا جائزہ لیں، یہ ادارے ریاست کی سرپرستی میں چلتے ہیں، ریاست انھیں چلانے کے لیے ہر سال اربوں روپے کا خطیر بجٹ دیتی ہے، قوم بھوک اور افلاس کا شکار ہوتی ہے لیکن اپنا پیٹ کاٹ کر ان تعلیمی اداروں کے لیے خطیر رقم فراہم کرتی ہے لیکن آج تک ہم ان اداروں کو لارڈ میکالے کے نظام سے نجات نہیں دلا سکے۔ اسی لیے جہاں یہ ادارے ہماری نسلوں کو ذہنی غلام بنا رہے ہیں وہاں بے شمار برائیوں سے رُوشناس کرا رہے ہیں، ایسی کوئی معاشرتی برائی نہیں جس سے ان اداروں میں زیر تعلیم طلباء وطالبات واقف نہ ہوں۔ ناچ گانے، منشیات کے استعمال اور فروخت سے لے کر ایسی کون سی برائی ہے جس میں ہمارے تعلیمی اداروں میں پڑھنے والے بچے محفوظ ہیں؟ یہ ادارے منشیات ہیروئن، چرس، آئس، شراب جیسے نشوں کی لعنت

سے محفوظ نہیں، بے شمار واقعات ہمارے سامنے آ چکے ہیں۔ طلبا و طالبات اپنے اصل یعنی دین کی دولت سے دور ہوتے ہیں اور فریسٹریشن کا شکار ہو جاتے ہیں، یہی بچے جب فارغ التحصیل ہو کر ملازمت کے عدم حصول یا زندگی کے کسی بھی امتحان میں ناکام رہتے ہیں تو وہ خودکشی جیسے حرام فعل سے بھی گریز نہیں کرتے۔ آپ ریکارڈ اٹھا کر دیکھ لیں عصری تعلیم کے حامل لوگوں میں خودکشی کا رجحان بہت زیادہ ہے اس کے مقابلے میں مدارس کی ساڑھے چودہ سو سالہ تاریخ میں کبھی نشے اور خودکشی جیسے واقعات سننے کو بھی نہیں ملیں گے۔ کوئی عالم دین بے روزگاری کے خلاف احتجاج کرتا نظر نہیں آیا۔ حقیقت یہ ہے کہ لارڈ میکالے نے مسلمانوں کی نئی نسل کو ذہنی لحاظ سے انگریز کا غلام بنانے اور نوآبادیاتی فرنگی نظام کے کل پرزوں کی شکل میں ڈھالنے اور دین بیزاری کے لیے جس نظامِ تعلیم کی بنیاد رکھی تھی ہمارے عصری تعلیم کے ادارے اسی میں ڈوبے ہوئے ہیں، اس کے مقابلے میں دینی مدارس ایک مستحکم اور ناقابل شکست متوازی نظام تعلیم کی حیثیت اختیار کر گئے اور اس طرح فرنگی تعلیم و ثقافت سے محفوظ رہنے کی خواہش رکھنے والے غیور مسلمانوں کو ایک مضبوط نظریاتی اور تہذیبی حصار میسر آ گیا۔ جدید عقل پرستی کی بنیاد پر دینی عقائد و روایات سے انحراف، انکارِ ختم نبوت، انکارِ حدیث اور اس قسم کے دیگر اعتقادی اور مذہبی فتنوں نے سر اٹھایا تو یہ دینی مدارس پوری قوت کے ساتھ ان کے سامنے صف آرا ہو گئے اور ملت اسلامیہ کی راسخ الاعتقادی کا تحفظ کیا۔ فرنگی تہذیب اور یورپی ثقافت کی طوفانی یلغار کا سامنا کرتے ہوئے دینی مسلم ثقافت کو ایک حد تک بچانے اور بطور نمونہ باقی رکھنے میں ان مدارس نے کامیابی حاصل کی۔ قرآن وسنت کے علوم، عربی زبان اور دینی لٹریچر کو نہ صرف زمانہ کی دست بُرد سے بچا کر رکھا بلکہ ملک میں ان علوم کے حاملین کی ایک بڑی تعداد پیدا کر کے اگلی نسلوں تک انہیں مِن وعَن پہنچانے کا اہتمام کیا۔ پھر بھی تنقید مدارس پر؟ اصلاح کی ضرورت مدارس کو نہیں لارڈ میکالے کے دیے ہوئے نظام میں جکڑے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کو ہے۔ حکومت ان پر توجہ دے۔ جہاں تک مدارس کی بات ہے تو ان ہی مدارس کے بارے میں مفکر پاکستان علامہ محمد اقبال نے کہا تھا "ان مدارس کو اپنی حالت پر رہنے دو اگر یہ مدارس اور اس کی ٹوٹی چٹائیوں پر بیٹھ کر پڑھنے والے درویش نہ رہے، تو یاد رکھنا تمہارا وہی حال ہوگا جو میں اندلس اور غرناطہ میں مسلمانوں کا دیکھ کر آیا ہوں"۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں بعض حضرات مسجد میں بیٹھ کر درس دیا کرتے تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے گورنروں کو لکھا کہ بھائی مسجدوں میں درس دینے والوں کے نام اور کیفیات میرے پاس بھیج دو، گورنروں نے درس دینے والوں کی کیفیات لکھ کر عمر بن عبدالعزیز کو بھیج دیں، چنانچہ انہوں نے ان سب کا وظیفہ جاری کر دیا، اس میں بعض حضرات نے لیا اور بعض نے انکار کر دیا۔ جنہوں نے انکار کیا ان کے بارے میں عمر بن عبدالعزیز نے لکھا: کثر اللّٰہ امثالک "اللہ تم جیسے بہت پیدا کرے"

عظیم محقق، مفسر ومحدّث ''انورِ زماں''

حضرت مولانا محمد اَنور بدخشانی نوّر اللہ مرقدہ

(قسط اوّل)

صاحبزادہ مولانا طلحہ رحمانی

علم وفضل کی عظیم ہستی، علوم وفنون کی دنیا کے کوہ گراں، علوم ومعارف کا چلتا پھرتا اک جہاں، رازی وغزالی وقت، معقولات ومنقولات کا مجموعہ۔ ہزاروں طلاب دین وعلم کے ایسے بافیض مربی جو استادوں کے استاد، علوم دین کا ایسا بحر بیکراں جس نے اپنی علمیت سے سے عالم بھر کے علماء وصلحاء اور اتقیاء کو سیراب کیا۔ ہزاروں بلاواسطہ فیضیاب ہوئے تو لاکھوں نے بالواسطہ کسب فیض کو اپنے حق میں مقدر کیا۔

بات مختصر کروں تو کہہ سکتے ہیں کہ جن علوم ومعارف کا بیج تقریباً ایک صدی قبل محدّثِ زماں حضرت شیخ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ نے علمی امانت ونسبت کا بویا تھا؛ اور ان کے علوم کے امین اور روحانی وارث محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کی شکل میں عرب وعجم میں ایک ایسے شجر کی صورت میں وسیع ہوا تھا کہ جس نے اکناف عالم میں اپنے فیض سے لاکھوں اشخاص کو علمی وعملی سایہ کی صورت میں روحانی چھاؤں بھی میسر کی تھی اور پھر "فیض کاشمیری" کے سیل رواں سے سیرابی پانے والے بالواسطہ نسبت وامانت شیخ کاشمیری کے ہم نام وکام شیخ محمدؒ "انور بدخشانی" رحمہ اللہ کو منتقل ہوئی۔ جس سے اسی فیضان علم وصفاء کی کئی گوہر نایاب ہستیاں سیراب در سیراب ہوتی گئیں اور ان شاء اللہ ہوتی رہیں گی۔

دو اَنور؛ دو نسبتیں۔۔۔ بس فرق علاقائی نسبت۔ یعنی ایک "کاشمیری" اور دوسرے "بدخشانی"۔ نام کی جہاں تاثیر مسلم ہے وہیں علم وعمل کی گہرائیاں بھی اپنے دامن میں وسعتِ فیض رکھتی ہیں۔ نام 'انور' جس کا معنی ہی چمکنا اور 'روشن' ہونا ہے۔ اور پھر جس چمک پر علوم نبوی کی جھلک پڑ جائے تو پھر فیض کا سیل رواں کیوں نہ جاری ہو۔۔۔

ہمارے ممدوح "شیخ بدخشاں" کو تو رب تعالیٰ نے ظاہری حسن وجمال سے بھی خوب نوازا تھا۔ سرخ وسفید رنگ کے ساتھ عالمانہ وجاہت سے لبریز حسیں خد وخال والے "انور" اور "بدخشان" کی علاقائی نسبت سے مرقع جاذب نظر شخص تھے۔

80ء کی دھائی سے بھی قبل کی بات ہے جب شعور کی آنکھ بیدار ہوئی تو ہماری زباں پر "انور خالو" کا نام جاری

تھا۔رشتوں کی اہمیت کو جو سمجھتے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ کم عمری میں جو دل و دماغ میں نقش ہو جائے تو لحد تک وہ یادیں انمول رہتی ہیں۔ یہاں بھی یہی ہوا کہ"انور خالو" سے"مولانا محمد انور بدخشانی" ہمارے ذہن میں وقت کے ساتھ ساتھ پروان چڑھتا گیا۔ پھر 1985ء میں تکمیل حفظ کے بعد درجہ اعدادیہ کا ہمارا سال شروع ہوا تو فارسی گرامر کے استاد کے طور پر جس شخصیت سے نسبتِ تلمذ ہمیں حاصل ہوئی تو وہ ہمارے حضرت مولانا محمد اَنور بدخشانی رحمہ اللہ تھے۔

خاندانی پس منظر:

حضرت بدخشانیؒ کی پیدائش افغانستان کے صوبہ بدخشان کے علاقہ"وردوج" کے قریب"زردیو" نامی گاؤں میں ہوئی۔آپ کے والد مرحوم کا نام مرزا محمد تھا، جو زمیندار اور مال مویشی کے کام سے وابستہ نیک سیرت شخص تھے۔علاقائی طور پر آپ کے والد مرحوم اثر ورسوخ والے شمار کئے جاتے تھے۔آپ کے خاندان کے پاس کئی سو ایکڑ زمین، باغات اور پانچ چھ سو کے لگ بھگ مویشی ہر وقت موجود ہوتے تھے۔مالی لحاظ سے اللہ نے اس محنت کش خاندان کو نوازا ہوا تھا۔آپ کے والد مرحوم اگرچہ تعلیم یافتہ نہیں تھے لیکن علاقائی مسائل کے حل کیلئے ایک مرکزی اور سماجی رہنما کے طور پر جانے جاتے تھے۔اس وقت تک خاندان میں تعلیم وتعلم کا رجحان نہیں تھا۔مال و دولت کی جگہ تعلیم اور درس وتدریس اس خاندان کی پہچان کیسے بنی؟اس پر ہم آگے بات کرتے ہیں،لیکن یہاں پر یہ عرض کرتا چلوں کہ خاندانی مؤقر ذرائع اور دیگر احوال سے مولانا بدخشانی مرحوم کی پیدائش 1932ء میں ہوئی۔آپ کے دو چھوٹے بھائی اور ایک چھوٹی بہن پر مشتمل کنبہ تھا۔یعنی آپ بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔

آپ نے اپنی تعلیم کا آغاز قدرے بڑی عمر سے کیا۔جب آپ کی عمر پندرہ برس تھی تو اس وقت آپ نے ناظرہ قرآن کی تعلیم شروع کی۔

آپ کے تعلیمی مراحل:

آپ کی تعلیم کے حوال راقم کو جو معلومات دستیاب ہوئیں وہ پانچ مراحل کی صورت میں ہمارے سامنے آتی ہیں، پہلے مرحلہ میں آپ نے ناظرہ قرآن کی تعلیم حاصل کی۔

اب یہاں سے اس خاندان کے علمی پس منظر کا قدرے جائزہ لیتے ہیں۔جو کچھ یوں ہے کہ"وردوج" کے قریبی علاقہ"بہارک" میں"مولانا عیدی محمد" رحمہ اللہ مشہور بہ"مولوی خیر آباد" ہوا کرتے تھے...انتہائی باصلاحیت اور ماہر فن عالم دین تھے،آپ محدث کبیر علامہ سید انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ اور اکابرین دیوبند و جامعہ امینیہ دہلی کے فیض

یافتگان میں سے تھے،علم کے ساتھ ساتھ یہ نسبت بھی وہاں آپ کی شہرت کا باعث بنا تھا۔یعنی اس علاقہ میں بنیادی طور"مولانا عیدی محمد رحمہ اللہ" کی وجہ سے دینی تعلیم وتعلم ،درس تدریس کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

مولانا بدخشانی رحمہ اللہ کے چچا مولانا محمد شریف اور مولانا محمد شریف کے سالے مولانا قاضی محمد ایوب رحمہم اللہ دونوں ان کے پاس پڑھنے گئے۔ بنیادی تعلیم دیگر مقامی علماء سے حاصل کی تھی تو اب ان کے ہاں کافیہ پڑھ رہے تھے کافیہ پڑھنے کے دوران مولانا عیدی محمد رحمہ اللہ کی علمیت سے متاثر ہوکر ان کے مشورے سے آپ دونوں ہندوستان میں وسطانی اور فوقانی درجات پڑھنے چلے گئے۔آپ دونوں کا مادرعلمی برصغیر کی عظیم دینی درسگاہ جامعہ امینیہ دہلی بنا؛اور مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ سے شرف تلمذ حاصل ہوا۔اپنی تعلیمی زندگی سے فراغت کے بعد آبائی علاقہ"وردوج" میں آپ دونوں حضرات نے اپنے اپنے خاندان کی نسلِ نو سمیت اہل علاقہ میں دینی تعلیم اور درس وتدریس کی داغ بیل ڈالی۔ایک نئی سوچ اور فکر دی،اپنے خاندان کے بچوں کو دین کی بنیادی تعلیم دے کر مزید تعلیم کے لئے ان کو افغانستان ہی کے مراکز علم اور پاکستان کی طرف بھیجنا شروع کر دیا۔

مولانا محمد شریف اور مولانا قاضی محمد ایوب دونوں طلابِ علم کیلئے مرجع خلائق کی حیثیت رکھتے تھے۔ذہانت و فطانت میں اپنی مثال آپ تھے،لوگ اپنے ،مسائل پریشانیاں اور بنیادی ضروریات کی تکمیل کے لئے آپ کے ہاں حاضری دیتے تھے۔یوں اس خاندان کی پہچان دنیاوی مال ودولت کی جگہ علم ومعرفت نے لی۔قرآن وحدیث ان کی زندگی کا کل سرمایہ اور آخری حوالہ بنا۔آپ کے آبائی علاقہ"وردوج" میں واقع بستی"دہ دوروز" میں اس خاندان کی پہچان"جمعِ مولویان" بنی....."دہ دوروز" کا مطلب یہ ہے کہ ایسی بستی جو دوروز میں بنی۔اس کی بھی ایک تاریخ ہے۔اور اس گھرانے کو دور دور تک"جمع مولویان" یعنی"علماء کا گھرانہ" کا تعارف مقبول عام ہوا۔

اب اس علاقہ میں مولانا بدخشانی مرحوم کے چچا مولانا محمد شریفؒ جہاں ایک طرف علوم وفنون سے علمی و دینی سلسلے کے فیضان کا ذریعہ بنے ہوئے تو دوسری طرف ان کے سالے اور ہم سبق ساتھی مولانا قاضی محمد ایوبؒ اس زمانہ میں منصب قضاء پر فائز تھے۔جو اپنی حق گوئی کی بنا پر افغان حاکم ظاہر شاہ کے زمانے میں پانچ سال جیل کی قید با مشقت بھی کاٹ چکے تھے۔

ان بڑوں کی قربانیوں کی برکت تھی کہ آج اس خاندان کے ہر گھرانے میں دو یا تین حفاظ،علماء اور مفتیان کرام موجود ہیں،عصری جامعات میں شریعہ اینڈ لاء اور اسلامک اسٹڈیز کے ہیڈ بھی موجود ہیں، جب کہ تصنیف وتالیف کے شعبہ سے بھی وابستہ کئی نمایاں شخصیات موجود ہیں۔

انتہائی خوش آئند بات تھی کہ وہ علاقہ جو چند برس قبل جہالت وتاریکی میں ڈوبا ہوا تھا وہ آج دین سے متعلق تمام شعبہ

ہائے زندگی میں رجال کار پیدا کر چکا تھا، اور اپنی خدمات سرانجام دینے میں مصروف عمل تھے۔

اس خاندانی پس منظر کے تناظر میں بدخشانی صاحب مرحوم کا دوسرا اہم تعلیمی مرحلہ شروع ہوا۔۔۔جس میں آپ نے چچا، استاد اور مربی مولانا محمد شریف رحمہ اللہ سے ابتدائی فنون کی کتب پڑھیں۔ یہ پچاس کی دہائی کا دور چل رہا تھا اور آپ اپنی عمر میں دوسری دہائی کے اختتام پر تھے۔

آپ نے دینی علوم فنون سے اپنی تعلیم کے دوسرے اہم مرحلہ میں اپنے استاد و مربی مولانا محمد شریف رح سے مبادیات (علوم عربیہ، صرف، نحو، لغت فقہ) کی کتب پڑھیں۔ اس مرحلہ میں آپ نے تقریباً تین چار سال صرف کئے جو اپنے آبائی علاقہ "وردوج" میں مکمل ہوا۔

تیسرا مرحلہ:

اس کے بعد آپ افغانستان کے صوبہ "تخار" میں پڑھنے کیلئے گئے۔ اس وقت پورے افغانستان میں دینی علوم و فنون کا مرکز "تخار" تھا؛ جہاں اپنے وقت کے معروف اور ماہرین فنون سے دینی درسگاہیں آباد تھیں اور علوم وفنون کی ان نابغہ روزگار ہستیوں نے تعلیم وتربیت سے اک جہاں آباد رکھا ہوا تھا۔ ہمارے مخدوم حضرت بدخشانی رحمہ اللہ نے چھ سے سات سال تک تخار میں کئی اہم فنون کی کتب تدریجاً پڑھیں۔

اس حوالہ سے آپ نے کئی تکالیف اور مشقتوں کا سامنا بھی کیا۔ بدخشان سے تخار تک کا سفر تین دن، تین رات کا پیدل سفر ہوتا تھا۔ جو آپ نے اس چھ سالہ دور میں کئی بار کیا۔ اس دوران آپ نے قندوز میں بھی ایک سال پڑھا۔ وہیں قریب کا معروف علاقہ "تالقان" تھا اور آپ وہاں موجود تھے کہ آپ کو علم ہوا کہ یہاں سے چند گھنٹے پیدل مسافت پر "نمک آب" علاقہ میں ایک معروف علمی ہستی "مولانا عبدالجلیل تخاری نمک آبی" کا درس شروع ہونے والا ہے۔ آپ رات کے اسی پہر وہاں جانے کیلئے روانہ ہوئے۔ سرد ترین موسم اور برف سے تمام علاقہ ڈھکا ہوا تھا۔ اس حالت میں رات کو روانہ ہوئے، راستہ میں آپ کی چپل ٹوٹ کر مکمل طور ختم ہوگئی۔ باقی سفر آپ ننگے پیر اس برفیلے راستہ پر مکمل کر کے صبح درس سے قبل وہاں پہنچ گئے اور درس کے آغاز سے ہی پڑھائی شروع کی۔ آپ کے دونوں پاؤں خون آلود ہو کر کافی زخمی ہو چکے تھے۔ جس کا وہاں قریبی طبیب سے دوران تعلیم علاج کیا جس سے تقریبا دس بارہ دنوں میں پاؤں کی حالت بہتر ہونا شروع ہوئی۔

تخار اور قندوز میں آپ نے ان علمی ہستیوں سے ثانوی اور بعض فوقانی علوم جیسے نحو، منطق، بلاغت، فقہ اور اصول فقہ کی کتب پڑھیں۔ ان قابل ذکر کتب میں ایساغوجی، تشریح الافلاک کی شرح تصریح، سلم العلوم کی شرح ملا

حسن، خلاصۃ الحساب، مختصر المعانی، قطبی اور سلم العلوم شامل تھیں۔

تخار اور قندوز میں آپ نے جن ہستیوں سے کسب فیض کیا ان کے نام درج ذیل ہیں:

(1) شیخ محمد الکبیرؒ (2) شیخ شمس الدین سرغیلانی البدخشیؒ (3) شیخ محمد یوسف بدخشیؒ (4) شیخ عبد الجلیل تخاری البخاریؒ (5) شیخ محمد اسماعیل تخاریؒ (6) شیخ محمد امین فرخاریؒ (7) شیخ خلیل الرحمٰن فرخاریؒ (8) شیخ مولانا فیض محمد التکابیؒ (9) شیخ محدث حاجی محمد الفرغانیؒ (10) شیخ عجب گل تکابیؒ (11) شیخ علاء الدین۔ؒ

ان میں قابل ذکر اساتذہ میں سے شیخ مولانا عبد الجلیل تخاریؒ (نمک آبی) کے پاس دو سال رہ کر فقہ و ادب کے علوم پڑھے، جبکہ نحو میں شرح جامی، کتب منطق میں سے الحاشیۃ الجدیدۃ علی المیر شرح ایساغوجی، بدیع المیزان حصہ تصورات من القطبیو غیرہ بھی موصوف سے پڑھیں۔

اسی تعلیمی سال کے دوران ایک جلیل القدر عالم حضرت مولانا فیض محمدؒ کے پاس بھی اپنی علمی سیرابی کیلئے گئے۔ یہ علاقہ "خان آباد" کے نام سے معروف تھا۔ حضرت بدخشانیؒ کے بقول: "موصوف میں تبحر علمی کی صفت بدرجہ اتم موجود تھی، انتہائی باوقار اور سنجیدہ شخصیت تھے، علم کے تو گویا پہاڑ تھے، البتہ خارجی معلومات سے دلچسپی نہ رکھتے تھے، زیادہ تر نصاب سے متعلقہ کتابوں سے ان کا گہرا تعلق ہوتا تھا، کتاب اچھی طرح سمجھتے بھی تھے اور سمجھاتے بھی تھے، ادب عربی کی جانب بھی ان کی رغبت تھی اور اس کا شوق و ذوق بھی خوب رکھتے تھے لیکن چونکہ موصوف درسی کتابوں کو کئی کئی بار خود پڑھ بھی چکے تھے اور پڑھا بھی چکے تھے اس لئے ان کا تجربہ تدریسی اعتبار سے کافی پختہ تھا" حضرت بدخشانیؒ نے ان سے "شافیہ" کے کچھ حصے، ہدایہ ثالث کی کتاب الاجارہ اور مشکوٰۃ شریف پڑھیں۔۔۔

اسی طرح ان اساتذہ میں شیخ مولانا محمد امین فرخاریؒ تھے۔ ان سے مختصر المعانی، قطبی کی تعلیق للسید الشریف الجرجانی پڑھی۔ بقول حضرت بدخشانیؒ کہ: ''یہ بھی بہت عظیم انسان تھے، ان کے اسلوب تدریس و طرز تکلم، طریقہ افہام و تفہیم متعلقہ موضوع پر حاوی تھے''۔

تخار میں آپ مزید تعلیم کا حصول جاری رکھنا چاہتے تھے لیکن گھر سے اطلاع آئی کہ آپ کے والد مرزا محمد کی طبعیت ناساز ہے۔ یہ سن کر اپنے اساتذہ سے مشورہ کر کے واپس اپنے علاقہ "وردوج" آ گئے۔۔ یہاں آ کر آپ نے والد مرحوم کی خدمت کے ساتھ زرعی زمینوں پر کاشت کاری کی تاکہ گھر کا نظام چل سکے۔ اس دوران آپ نے جہاں والد کی خدمت اور کاشت کاری کی وہیں اپنی تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ روزانہ صبح کے وقت میں چار سے پانچ گھنٹے تعلیم میں مصروف رہتے پھر اپنی زمینوں پر کاشت کاری کرتے اور شام سے رات گئے تک تعلیم کا سلسلہ جاری رکھتے۔ اس دوران صرف مختصر وقت کیلئے ہی آرام کرتے۔ آپ کی تعلیمی کا یہ تیسرا مرحلہ تھا جو تخار اور قندوز کے

بعد تین سال جاری رہا۔اس عرصے میں بعض وہ کتب بھی آپ نے پڑھیں جو وہاں تخار میں نامکمل رہ گئی تھیں۔آپ نے علوم وفنون کی وسیع دنیا میں اپنا سفر جاری رکھا۔اس میں آپ نے اپنے مرحوم چچا محترم سے ہدایہ ثالث،خلاصۃ الحساب اور شافیہ کی کتب دوبارہ بھی پڑھیں۔اس عرصہ میں آپ کے والد کی طبیعت بہتر ہو چکی تھی اور آپ نے اپنے بڑوں کے مشورہ سے پاکستان کا رخ کیا۔

چوتھا تعلیمی مرحلہ:

یہ عرصہ 1960ء اور 65ء کا درمیانی زمانہ تھا۔جبکہ آپ کی تعلیمی زندگی کا چوتھا دور بھی تھا۔اس میں آپ نے سب سے پہلے کوہاٹ کے علاقہ میں دارالعلوم انجمن تعلیم القرآن میں مولانا شیخ عبدالغفار رحمہ اللہ سے ''قاضی مبارک'' پڑھی،مولانا شیخ احمد گل رحمہ اللہ سے ''تفسیر بیضاوی،مولانا شیخ نعمت اللہ رحمہ اللہ سے ''ہدایہ ثالث'' اور مولانا شیخ عبد الحلیم دیروی حفظہ اللہ سے تفسیر قرآن کا کچھ حصہ پڑھا۔ان اساتذہ میں مولانا شیخ عبدالحلیم دیروی مدظلہ حیات ہیں اور ''دیر بابا'' کے معروف نام سے اس وقت عالم اسلام کی عظیم دینی درسگاہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں حدیث کے بڑے استاد ہیں۔حضرت بدخشانی رحمہ اللہ نے تقریباً دو درجن سے زائد جن ہستیوں سے کسب فیض کیا ان میں صرف حضرت ''دیر باباجی'' حیات ہیں۔

اس کے بعد آپ جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک گئے وہاں آپ نے مفتی محمد یوسف بونیریؒ سے ''مطول...''،مفتی محمد فریدؒ سے ''تفسیر بیضاوی''،''شرح عقائد'' اور کچھ دیگر کتب بھی پڑھیں،جبکہ مولانا فضل الٰہیؒ سے فلسفہ کی مشہور کتاب ''میبذی'' پڑھی۔اس کے بعد آپ نے دارالعلوم اسلامیہ سیدو شریف مینگورہ کا رخ کیا۔وہاں آپ نے ''ملا جلال'' پر سید زاہد کا ''حاشیہ''،''قطبی'' کی شرح،''دیوان متنبی'' اور ''مقامات حریری'' پڑھیں۔اسی طرح مولانا کفایت اللہؒ سے ''قاضی مبارک'' اور مولانا عبدالمجید بازارگویؒ سے فلسفہ کی معروف کتاب ''ہدایۃ الحکمۃ'' کی مشہور شرح ''صدرا'' اور ''شمس بازغہ'' پڑھیں۔

یہیں دارالعلوم اسلامیہ سیدو شریف میں دوسرے سال آپ نے معروف علمی و روحانی شخصیت حضرت خان بہادر المعروف ''مارتونگ بابا'' رحمہ اللہ سے ''شرح مواقف'' پڑھی،جبکہ فلکیات میں ''تصریح''،''شرح چغمینی'' اور ''سبع شداد ثلاثۃ'' مولانا عبدالمجیدؒ سے پڑھیں۔اسی سال علم ہندسہ کی مشہور کتاب ''اقلیدس'' بھی پڑھی۔آخر میں ''حاشیہ خیالی'' اور ''سلم العلوم'' کی شرح ''حمد اللہ'' مولانا کفایت اللہؒ سے پڑھیں۔جبکہ علم عروض وقوافی مشہور ادیب مولانا لطافت الرحمن سواتیؒ سے پڑھے۔

یہ آپ کی تعلیمی زندگی کا چوتھا مرحلہ تھا۔جس میں آپ نے چار سال تک مروجہ نصاب سے ہٹ کر علوم وفنون میں مہارت تامہ حاصل کی ؛اوراس دوران بعض کتب آپ نے دو یا اس سے زائد بار میں مکمل پڑھیں۔درس نظامی میں پڑھائی جانے والی تمام کتب کے علاوہ بھی کئی فنون کی ایسی کتابیں پڑھیں جن کے نام سے آج کے اہل علم بھی شاید واقف نہ ہوں۔

پانچواں اور آخری تعلیمی مرحلہ:

پاکستان آنے کے چار سال بعد آپ نے کراچی کا رخ کیا، یہ بھی ایک دلچسپ واقعہ ہے۔کوہاٹ، اکوڑہ خٹک اور سیدو شریف میں پڑھنے کے بعد آپ کو اکوڑہ خٹک کے علاقہ میں ایک مسجد میں امامت کی ذمہ داری ملی۔آپ نے ایک دو ماہ امامت کا منصب سنبھالا۔تنخواہ ملی تو بقول حضرت بدخشانیؒ:

"میرے مزاج میں مجھے تبدیلی محسوس ہونے لگی، علمی جستجو اور تڑپ میں کمی کا احساس ہونے لگا، مطالعہ کا شوق بھی کم ہونے لگا، جبکہ میں نے ابھی دورہ حدیث شریف باقاعدہ پڑھنا تھا، اس لئے فیصلہ کیا کہ یہاں سے کراچی چلا جاؤں، کیونکہ ویسے بھی دل میں عرصہ سے اشتیاق تھا کہ وہاں محدث العصر علامہ بنوریؒ کی شخصیت سے حدیث پر استفادہ کروں گا۔اپنی فکر کو عملی صورت دیتے ہوئے میں نے ریل گاڑی کا ٹکٹ اپنی تنخواہ سے خریدا، زادراہ اور چند دن کا خرچہ برابر کیا اور کراچی کیلئے روانہ ہوگیا۔اور اپنی جگہ پر امامت کیلئے ایک ساتھی کو مقرر کیا۔کراچی پہنچا تو مجھے حضرت بنوری، مفتی ولی حسن ٹونکی، مولانا ادریس میرٹھی رحمہم اللہ جیسے اساتذہ سے قرآن وسنت پڑھنے سمجھنے کا شرف حاصل ہوا، جامعہ بنوری ٹاؤن اور ان اساتذہ کرام کی صحبت کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ علوم قرآن وسنت کے سامنے دیگر تمام عقلی علوم ہیچ ہیں، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ عقلی علوم پڑھنے سے انسان کو پختگی اور رسوخ ضرور حاصل ہوجاتا ہے، اس لئے اس کی اہمیت اپنی جگہ ہے، بہرحال جامعہ اور حضرت بنوری رحمہ اللہ کی صحبت کے بعد میرا ذوق مطالعہ کا مرکز قرآن اور حدیث ہوگیا اور پھر اس سے متعلقہ تمام معروف ومشہور کتب پڑھنے کا مجھے شرف حاصل ہوا۔" (جاری ہے)

ایک سادہ منش استاذ کے بارے میں مشہور تھا کہ امتحان ہال میں کوئی آپ سے کچھ پوچھتا ہے تو اشارۃً بتادیتے ہیں، ترجمہ قرآن کے پرچے میں ایک طالب علم نے کھڑے ہوکر پوچھا حضرت "تَخُرُّ صُوْنَ" کا ترجمہ بتادیجیے، حضرت نے چلتے چلتے فرمایا: بھئی ہم تو گمان واندازے سے ہی بتاسکتے ہیں، یہ فرماکر حضرت آگے چلے گئے، تھوڑی دیر بعد جب واپس تشریف لائے تو وہ طالب علم پھر کھڑا ہوا اور کہنے لگا: حضرت گمان اور اندازے سے ہی بتادیجیے "تَخُرُّ صُوْنَ" کا ترجمہ۔

وفاق المدارس العربیہ صوبہ خیبر پختونخوا کی سرگرمیاں

مولانا مفتی سراج الحسن

ناظم وفاق المدارس العربیہ پاکستان صوبہ خیبر پختونخوا استاذ العلماء حضرت مولانا حسین احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے 10 جولائی 2024 بروزِ بدھ جامعہ ابن عباس گلوڈھیر صوابی، 11 جولائی 2024ء بروز جمعرات جامعہ ضیاء العلوم غازی بیگ خوڑ بازار جبکہ ضلع صوابی ہی میں 21 اگست بروز بدھ جامعہ محمودیہ حاجی آباد خراڑی ٹوپی میں منعقدہ تدریب المعلمین والمعلمات میں مہمان خصوصی کے طور پر شرکت کی۔

ضلع صوابی میں تدریب المعلمین کا انعقاد ضلعی مسئولین مولانا مفتی نصیر محمد حقانی صاحب اور مولانا عبدالروف بادشاہ صاحب نے کیا تھا۔ جس میں ضلع صوابی کے سینکڑوں مہتممین نے شرکت کی۔ واضح رہے کہ یہ تقریب صرف مہتممین کے لیے تھی۔ مہتمم کے علاوہ کسی اور کو شرکت کی اجازت نہیں تھی۔ اس لیے اس تدریب میں خصوصی طور پر معاشرہ میں دینی مدارس اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے کردار، مہتمم کی ترجیحی ذمہ داریاں، تعلیم وتربیت اور مالی انتظامات میں شفافیت وغیرہ جیسے امور کو موضوعات پر مفصل خطاب فرمایا۔ جبکہ دوسری تدریب صرف قراء حضرات اور حفظ کے مدرسین کے لیے تھی۔ جس میں حفظ قرآن کریم کا طریقہ تدریس، مدارس حفظ کا نظم وضبط، حفظ کے بچوں کی تربیت اور جسمانی سزا کے متبادل ذرائع، تجوید کے اہم مباحث جیسے اہم موضوعات پر محاضرین نے سیر حاصل گفتگو کی۔ اس تدریب میں صوبائی ناظم کے علاوہ مولانا قاری محمد صدیق رحیم صاحب، حضرت مولانا قاری محمد سلیمان صاحب ٹیکسلا تلمیذ رشید حضرت مولانا قاری محمد شریف صاحب رحمہ اللہ نے بھی خصوصی طور پر شرکت فرمائی۔ حضرت مولانا قاری محمد سلیمان صاحب نے حروف تہجی پڑھانے کا انداز جبکہ قاری صدیق رحیم صاحب نے کلاس چلانے اور شروع کرانے کا طریقہ کار، جبکہ صوبائی ناظم حضرت مولانا حسین احمد صاحب نے حفظ کے بچوں کی تربیت اور جسمانی سزا کے متبادل ذرائع پر مفصل خطابات فرمائے۔

ضلع مہمند میں تدریب المعلمین والمعلمات کا انعقاد ضلعی مسئول مولانا ریاض الدین صاحب نے کیا تھا جس میں کثیر تعداد میں مدارس کے معلمین اور معلمات نے شرکت کی۔ واضح رہے کہ ضلع مہمند کی سطح پر اس طرز کی یہ پہلی تقریب تھی جسے اہل مدارس کی طرف سے خوب سراہا گیا۔ تدریبات کے روحِ رواں ناظم

وفاق المدارس العربیہ پاکستان صوبہ خیبر پختونخوا حضرت مولانا حسین احمد صاحب زید مجدہم کے بیانات کا خلاصہ افادہ عام کی خاطر پیش خدمت ہے:

معاشرہ میں دینی مدارس کا کردار:

حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ العالی نے اپنے خطابات میں معاشرہ میں دینی مدارس کا کردار، وفاق المدارس کا قیام اور اس کے برکات، بنین و بنات کے مدارس میں نظم ونسق کی ضرورت واہمیت، جدید طرق تدریس سے استفادہ اور مدرسین کی ذمہ داریاں جیسے اہم موضوعات پر سیر حاصل گفتگو کی۔ مدارس اور وفاق المدارس کے کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ دینی مدارس اسلام کے قلعے ہیں۔ مادیت کے اس امڈتے ہوئے سیلاب میں آج اگر ''قال اللہ وقال الرسول'' کی صدائیں بلند ہورہی اور بڑھتی جارہی ہیں تو یہ ان دینی مدارس اور اس میں پڑھنے، پڑھانے والوں کا ہی ''فیضان'' ہے، یہ دینی مدارس اسلام کی پناگاہیں اور ہدایت کے سرچشمے ہیں۔ مدرسہ تمام دینی تحریکات کیلئے منبع اور مرکز کی حثیت رکھتا ہے۔ چاہے وہ اسلامی سیاست ہو، دعوت وتبلیغ کی محنت ہو، خانقاہی نظام ہو، تحفظِ ختم نبوت ہو، تحفظِ ناموس رسالت ہو، تحفظِ ناموس صحابہؓ ہو، تمام شعبوں کو تقویت دینے والا مدرسہ ہی ہے۔ ان سب کی تازگی اور شادابی مدرسہ کی وجہ سے قائم ہے۔ لہذا ان تمام شعبوں کی بقا مدارسِ عربیہ کی بقا سے وابستہ ہے۔ مدارس عربیہ انسانیت کے خیرخواہ، ملک وقوم کے وفادار پیدا کرتے ہیں۔ ملکِ عزیز میں جو دینی فضا قائم ہے یہ بھی دینی مدارس کی برکات اور ثمرات ہیں۔ مدارس نے ہر وقت میں ملک وملت میں تعمیری خدمات انجام دی ہیں۔

وفاق المدارس العربیہ کا وجود:

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے کے کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہا لحمدللہ ثم الحمدللہ وفاق المدارس العربیہ کے تحت مدارسِ عربیہ قرآن وحدیث کے علوم کی اشاعت اور حفاظت میں مصروف عمل ہیں۔ وفاق المدارس کا قیام اور وجود اللہ تعالی کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ آج اگر مدارس کا وجود اپنی تمام تر خصوصیات وامتیازات کے ساتھ نظر آرہا ہے اس میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا بہت اہم کردار ہے۔ وفاق ہمارے اکابر کی امین جماعت ہے۔ جو دینی مدارس کے تحفظ کے لیے ایک چھتری ہے۔ اپنے اسلاف کی اس امانت کو ہم نے نہ صرف محفوظ رکھنا ہے بلکہ اسے مزید مستحکم کرنا ہے۔ وفاق المدارس کے تمام تر خدمات باعث اجر وثواب ہیں۔ وفاق المدارس کو ہر دور عبقری شخصیات اور شیوخ کی قیادت کی سعادت بھی حاصل ہے۔ ین دشمن قوتیں مدرسہ کے خلاف عالمی سطح پر پروپیگنڈا کررہی ہیں تاکہ مدارسِ عربیہ ناکام ہوجائیں، مگر وفاق اور اکابرین وفاق المدارس العربیہ

پاکستان کی برکتوں سے ہر دور میں کفر کی تمام تر سازشیں ناکام ہوئی ہیں، ان شاءاللہ آئندہ بھی ناکام ہوں گی۔

تربیت کی ذمہ داری:

آپ نے کہا کہ معلمین پر صرف تعلیمی ذمہ داری نہیں ہوتی اساتذہ کا کام صرف پڑھا دینا نہیں بلکہ طلبہ وطالبات کی تربیت کی ذمہ داری کا بوجھ بھی ان کے کندھوں پر ہوتا ہے، استاذ تمام بچوں کیلیے نمونہ ہوتا ہے اس کی فکر وسوچ، گفتار اور تمام حرکات طلبہ میں غیر محسوس طریقہ پر منتقل ہوتی ہے۔طلبہ وطالبات مدارس میں صرف علم کے حصول کے لیے نہیں آتے ہیں بلکہ ان کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کا اہتمام بے حد ضروری ہے لہذا مدارس کے ذمہ داران بچوں اور بچیوں کی تربیت کے انتظامات پر خصوصی توجہ دیں۔ہمارے دلوں میں طلبہ کی عظمت کا ہونا ضروری ہے اور ساتھ ساتھ ہمارے ذمہ جو تربیت ہے تو اس فریضہ کا بھی احساس رہے۔تادیب میں حدود کی رعایت ہو ورنہ اس کے برے اثرات رونما ہوں گے۔صرف تعلیم نہ ہو، تربیت بھی ہو تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت بھی ضروری ہے۔کیونکہ ہم اور آپ انبیاء کرام علیہم السلام کے ورثاء ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف معلم ہی نہ تھے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مزکی اور مربی بھی تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے معلمِ اول تھے،اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شاگرد تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف قرآن وسنت نہ پڑھاتے ، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تربیت بھی کرتے۔چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات کی تربیت فرماتے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نفوس قدوسیہ کو بول (چھوٹا پیشاب) کا طریقہ بھی بتایا، کیونکہ ایک یہودی نے حضرت سلمان فارسی رضی عنہ سے پوچھا کہ تمہارا پیغمبر تمہیں پیشاب کا طریقہ بھی بتاتے ہیں؟ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سمجھایا کہ استبار قبلہ نہ کریں، دایاں ہاتھ سے استنجاء نہ کریں۔تین پتھر سے استنجاء کریں۔ہڈی اور گوبر سے استنجاء نہ کریں۔یہود نے طعنہ دیا،لیکن حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے حکمت بھرا جواب دیا، یہ بتانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم معلمِ کامل ہیں۔ایک اور حدیث میں ہے،جس کے راوی عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ ہیں،آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے پلیٹ میں ہاتھ پھیرنے سے منع فرمایا۔اپنے سامنے سے کھانے کی تربیت دی۔شروع میں بسم اللہ پڑھنے کی ترغیب دی۔یہ ساری تربیت ہے۔ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پرگندہ بالوں والا شخص دیکھا اور فرمایا: کیا یہ شخص ایسی کوئی چیز نہیں پاتا (یعنی: گھنگی) جس کے ساتھ سر کے بال درست کرلیتا؟ ایک شخص کو میلے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو فرمایا: کیا یہ شخص ایسی کوئی چیز نہیں پاتا جس کے ذریعے وہ اپنا لباس دھولیتا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم کی نشست و برخاست، اٹھک بیٹھک، رہن سہن، آنے جانے، کھانے پینے پر نظر رکھتے۔ گفتگو، کردار، گفتار پر نظر رکھتے۔ لہذا اساتذہ طلبہ کی وضع قطع پر خصوصی نظر رکھے۔ آپ حضرات میں سے جو بڑے اساتذہ ہیں وہ طلباء کو اپنے بچوں کی نظروں سے دیکھیں اور جو اصاغر اساتذہ ہیں وہ طلباء کو بھائی سمجھیں۔ جو بات اپنی اولاد کے لیے پسند ہو وہ طلباء کے لیے پسند کریں، جو بات بھائی کے لیے پسند ہو وہ طلباء کے لیے پسند کریں۔ ایک کامل مدرس کے لیے باخلاق ہونا ضروری ہے۔ انسان دو چیزوں سے مرکب ہے ایک روح اور دوسرا جسم۔ تو جس طرح جسم کے لیے مختلف چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ایسے ہی روح کے لیے بھی مختلف چیزوں کی ضرورت ہوتی ہیں۔ اگر طالب علم کو جسم کے لیے مختلف استاد ملے لیکن روح کے لیے نہ ملے تو اس کا پلڑا جھک جائے گا لہذا مدرس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے کردار سے شاگرد کو روح کی خوراک مہیا کرے۔ اگر استاد ہمدرد ہے تو شاگرد بھی اس سے ہمدردی سیکھے گا۔ استاد کے لیے باکردار ہونا بہت ضروری ہے تاکہ شاگرد کے ذہن میں یہ بات نہ آئے کہ میرے استاد کے قول و فعل میں تضاد ہے۔ اگر ہمارا طلبہ کے ساتھ رویہ مناسب ہو محبت اور پیار کے ساتھ پڑھائے گے تو ساری عمر ہمیں دعائیں دینگے۔ اگر کسی معلم کا رویہ مناسب نہیں تو وہ کچھ بھی نہیں۔

ابتدائی مدرسین کے لیے مطالعے کا طریقہ:

آپ نے ابتدائی مدرسین کو ہدایات دیتے ہوئے فرمایا جس کتاب میں درس گاہ میں درس دے، وہ نسخہ اٹھائے، سب سے پہلے متن کا مطالعہ کرے، عبارت کی تعیین کرے کہ کل درس گاہ میں اتنا سبق پڑھانا ہے، اور متن کے اعراب، معنیٰ، صورت مسئلہ سمجھے۔ پھر بین السطور کا مطالعہ کرے، اس کے بعد حاشیہ میں چلا جائے۔ بین السطور سے بہت بڑے بڑے مسائل آسانی سے حل ہوتے ہیں، علاوہ ازیں حاشیہ دیکھنے سے بھی کتاب (متن) بہترین طریقہ سے حل ہوتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ مؤلف، محشی اور شارح کے لیے دعا کرنے کے بعد مطالعہ شروع کریں، اس سے سبق میں برکت ہوگا۔ ہماری دینی کتب کا مطالعہ اگر باوضو ہو تو اس سے شرح صدر نصیب ہوگا۔ اردو شروحات پر مکمل اعتماد نہ کریں کیونکہ کبھی کبھار دورانِ درس ایک نکتہ ذہن سے نکل جاتا ہے، اگر صرف اردو شرح دیکھی ہو تو مدرس کے پاس کوئی مواد نہیں ہوتا، ہاں اگر حاشیہ دیکھا ہو تو وہاں سے پڑھا سکے گا۔ اگر کوئی مدرس چاہتا ہے کہ میں طلبہ کرام کو صرف کتاب نہیں، بلکہ فن سمجھاؤں تو مدرس کو چاہیے کہ صرف مفوّضہ کتاب تک مطالعہ محدود نہ رکھے، بلکہ اس مطلوبہ درجہ کے اگلے درجہ کی کتاب اور اس کے بعد والے درجہ کی کتاب کو بھی مطالعہ میں رکھے، اور عربی کی جدید کتبِ فن (جو بیروت سے چھپ چکی ہیں) کو بھی مطالعہ میں رکھیں، تب یہ فن سمجھ آجائے گا۔ مدرسین خوب گہرا

مطالعہ کریں۔خوب مطالعہ کرنے کے بعد مکمل مطالعہ طلبہ کو پڑھانا اور سنانا علمی بدہضمی ہے، جیسے: زیادہ کھانا کھانے کے بعد انسان اُلٹی کرتا ہے۔ چنانچہ مطالعہ استیعاب کا نام نہیں، بلکہ انتخاب کا نام ہے۔طلبہ کرام کی صلاحیت دیکھ کر ضروری بات کریں، تمام باتیں سنانا ضروری نہیں۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ بہت لمبی تقریر کی جاتی ہے اور تمام باتیں طالب علم کے سر کے اوپر سے گزر جاتی ہیں۔ استاد کا کمال یہ ہے کہ اس کے درس گاہ کے رتمام طلبہ اس کے درس کو سمجھیں۔اپنے متعلقہ مدارس میں طلبہ کے لیے تکرار اور مطالعہ کا ماحول بنائیں۔

مدارس بنات کے لیے لازمی احتیاطیں:

آپ نے معاشرہ میں مدارس بنات کی اہمیت اور کردار پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کی نظر میں دینی تعلیم مرد وعورت کے لیے یکساں طور پر مطلوب ہے اور مستند احادیث میں عورتوں اور اپنے اہل وعیال کو تعلیم دینے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ باشعور اور دینی تعلیم وتربیت سے بہرہ مند خواتین گھر، خاندان اور معاشرہ میں بہت عمدگی سے اپنا کردار ادا کرسکتی ہیں، تاہم مدارس بنات میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی طرف سے جاری شدہ قواعد وضوابط کی پابندی بہرحال لازم ہے مثلاً پردہ کا محفوظ انتظام ہو، مہتمم کی رہائش مدرسہ میں نہ ہو بلکہ آمدورفت کا راستہ مدرسہ سے بالکل جدا ہو، مدرسین کی آمدورفت بالکل الگ راستے سے ہو۔کیبن میں کپڑے کا پردہ نہ ہو بلکہ لوہے کا آٹھ فٹ بلند گریل ہونا چاہیے۔درس کے دوران مناسب تعبیرات کا استعمال ہو اور اس میں حددرجہ احتیاط ہو۔مدرسہ کے اندورنی نظام چلانے کے لیے محرم خاتون ضرور موجود ہو۔معلمات اور طالبات موبائل کے استعمال سے احتراز کریں۔بالخصوص سمارٹ فون کے استعمال سے قطعاً اجتناب ہو۔معلمات شرعی پردے کا خاص اہتمام کریں۔معلمات اور طالبات کی لباس میں سادگی ہو۔معلمات کے لیے ضروری ہے کہ لباس، وضع قطع میں سادگی اور وقار ہو اور اس میں شریعت کی تعلیمات کی رعایت ہو جب معلمات خود وضع قطع میں طالبات کے لیے نمونہ ہوں گی تو تب اس کے مثبت اثرات رونما ہوں گے۔مدارس بنات میں چادر پوشی اور دیگر تقاریب تکلفات سے خالی ہوں خاص طور پر چادر پوشی کے نام پر طالبات سے بھاری رقم وصول کرنے کی سختی سے ممانعت کی جائے، کیونکہ ان پیسوں کے دینے میں طلبہ وطالبات اور ان کے سرپرستان کا طیب نفس شامل نہیں ہوتا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ''لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفس منه'' کہ مسلمان کا مال اس کی خوشی اور رضا کے بغیر حلال نہیں۔تو ہماری تقریبات جتنی سادہ اور تکلفات سے خالی ہوں اتنی ہی ان میں برکات زیادہ ہوں گی لہٰذا تقریبات کے لیے طلبہ وطالبات سے پیسے وصول کرنے سے اجتناب کریں۔

کتابتِ قرآن کریم کے مختلف مراحل

تالیف: مولانا ڈاکٹر قاری خلیل الرحمن۔ صفحات: 584۔ طباعت: عمدہ۔ قیمت: لکھی نہیں۔ ملنے کا پتا: ادارۃ المعارف، احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی، رابطہ نمبر 03002831960

قرآن کریم کے علوم ومعارف لامتناہی ہیں۔ قیامت آجائے گی مگر ایسا نہیں ہوگا کہ ان علوم ومعارف کے بحر ذخار میں غوطہ زن ہونے والا خالی ہاتھ واپس ہوئے۔ علماء امت نے قرآنی علوم پر کتب تحریر فرمائی ہیں؛ ان کی صرف فہرست مرتب کی جائے تو سینکڑوں صفحات کے دفتر تیار ہوجائیں۔ زیر تبصرہ کتاب انہی علوم کے صرف ایک پہلو کا احاطہ کرتی ہے۔ کتاب کا پورا نام ''کتابت قرآن کریم کے مختلف مراحل اور ان کا تاریخی پس منظر'' ہے۔ جس طرح الفاظ قرآن کی ادائیگی کے اصول وضوابط اور قوانین ہیں اسی طرح کتابتِ قرآن کریم کے بھی اصول ہیں۔ یہ بھی حفاظت قرآن کریم کا ایک خاص ذریعہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ودیعت فرمایا ہے۔

مولانا ڈاکٹر قاری خلیل الرحمٰن صاحب جامعہ دارالعلوم کراچی کے ''شعبہ تخصص فی القراءات'' کے نگران اور ''شعبہ تجوید وقراءت'' کے استاذ ہیں۔ ''کتابت قرآن کریم کے مختلف مراحل'' دراصل مولانا کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ ہے جو انہوں نے جامعہ اردو کراچی میں جمع کرایا اور اس پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ اس کتاب کے کل سات باب ہیں۔

پہلا باب: خط اور رَسم سے متعلق ہے۔ **باب دوم:** کتابت قرآن کریم دور نبوی میں۔ **باب سوم:** کتابت قرآنِ کریم عہد صحابہ میں۔ **باب چہارم:** اصول وضوابط رسم قرآنی۔ **باب پنجم:** قرآن کریم پر حرکات ونقاط۔ **باب ششم:** قرآن کریم کی مختلف جہات سے تقسیم (سورت، آیات کی تعداد، منازل ورکوعات، پارے اور احزاب) **باب ہفتم:** علم وقوف کے بارے میں ہے۔

بادی النظر میں کتابت قرآن کریم کا موضوع ایسا مشکل نہیں اس لیے کہ اس پر رہنمائی کے لیے بہت سی کتابیں موجود ہیں؛ لیکن ان میں زیادہ تر عربی زبان میں ہیں۔ اردو زبان میں اس موضوع پر کوئی جامع کام نظر نہیں آتا۔ زیر تبصرہ کتاب اردو زبان میں بلاشبہ پہلی مبسوط اور ضخیم کاوش ہے۔ اس کتاب کا ہر ہر صفحہ محنت وکاوش کا آئینہ دار ہے۔ سات ابواب اور سینکڑوں ذیلی عنوانات کے ساتھ یہ کتاب اپنے موضوع پر علم وآگہی کا بحر بیکراں ہے۔ اس کی صحیح قدر وقیمت کا اندازہ وہی کرسکتا ہے جس کا اس موضوع سے شغف ہو۔ اور ان شاء اللہ ہمیں امید ہے کہ اس کتاب کو قدر دانوں کی کمی کی شکایت نہیں ہوگی۔

کتاب کے آغاز میں حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ اور مولانا مفتی محمود اشرف

عثمانی رحمہ اللہ کی تقریظ شامل ہے۔مولانا قاری خلیل الرحمن صاحب نے اپنے اساتذہ کا تعارف بھی دیا ہے۔ مناسب ہوتا مولف کتاب اور مقالہ نگار اپنا تعارف بھی کتاب میں شامل کرتے۔ بہرحال یہ کتاب جاذب نظر سرورق ،بہترین کاغذ اور اعلیٰ معیار کی پرنٹنگ کے ساتھ علماء وطلبہ،قراء کرام اور علوم قرآنیہ سے شغف رکھنے والے احباب کے لیے ایک نادر ہدیہ ہے۔

رموز محدثین انسائیکلوپیڈیا

تالیف: دکتور احمد بن علی بن احمد القرنی،اردو ترجمہ: مولانا مفتی ابوالخیر عارف محمود۔صفحات:389۔طباعت: عمدہ۔ ملنے کا پتا: دارالکتاب، یوسف مارکیٹ، اردو بازار لاہور۔رابطہ نمبر:0300 8099774

علم کی دنیا میں اگر دیکھا جائے تو علمائے امت نے سب سے زیادہ حدیث رسول کی خدمت کی ہے،اس میدان میں علمائے امت کی خدمات بہت پہلودر پہلواور متنوع ہیں۔رُواۃِ حدیث ہوں، رِجال حدیث کی بات ہو،اسناد کا معاملہ ہو، احادیثِ مبارکہ کے درجات کا تعین ہو،صحیح اور موضوع احادیث کی چھان پھٹک ہو،ان تمام پہلوؤں پر محدثینِ عظام نے جس عرق ریزی سے کام کیا ہے وہ نہایت غیر معمولی ہے۔علومِ حدیث کا ایک پہلو وہ رموز واِشارات ہیں جو محدثین عظام اپنی کتب حدیث میں اختصار کی غرض سے استعمال کرتے ہیں۔ان رموز واشارات سے کبھی کسی محدث وعالم کا نام مراد ہوتا ہے،کبھی کسی کتاب کا نام اور کبھی کوئی کلمہ یا جملہ مراد ہوتا ہے۔زیرنظر کتاب انہی رموز واشارات کا مجموعہ ہے۔یہ دراصل دکتور احمد بن علی بن احمد القرنی کی کتاب ''معجم الرموز عندالمحدثین'' کا اردو ترجمہ ہے؛جو مولانا مفتی ابوالخیر عارف محمود حفظہ اللہ نے کیا ہے۔دکتور احمد القرنی حفظہ اللہ نے نہایت محنت وجانفشانی سے ان رموز کو مختلف اور منتشر کتب سے جمع کرکے انہیں حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کیا ہے۔مولانا عارف محمود صاحب نے اس کتاب کا نہ صرف ترجمہ کیا ہے بلکہ جابجا مفید اور معلوماتی حواشی بھی دیے ہیں،جن سے کتاب کی افادیت دوچند ہوگئی ہے۔یہ کتاب مدارس دینیہ کے منتہی طلبہ اور تخصص فی الحدیث کے طلبہ کے لیے بہت مفید ہے۔

تبلیغی جماعت

تالیف: مولانا زاہدالراشدی۔صفحات:166۔طباعت: عمدہ،کارڈ کور۔ قیمت:لکھی نہیں۔ ملنے کا پتا:الشریعہ اکادمی کنگنی والا،گوجرانوالہ۔ 0300-6426001

حضرت مولانا زاہدالراشدی صاحب زید مجدہم کی ذات محتاجِ تعارف نہیں۔آپ صاحب علم اور صاحب فکر ونظر شخصیت ہیں۔تدریس اور خطابت کے مسند نشین ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب قلم آدمی ہیں۔رواں اور سادہ اسلوب میں ان کی تحریریں فکر وخیال کے بہت سے دریچے کھولتی ہیں۔زیرنظر کتاب تبلیغی جماعت کے متعلق ان کی قدیم وجدید

تحریروں کا مجموعہ ہے۔اس میں تبلیغی جماعت کے اغراض واہداف، اکابر تبلیغ کا تذکرہ، رائے ونڈ کے اجتماعات اور سہ روزوں میں وقت لگانے کے احوال، اسی طرح تبلیغی جماعت پر وارد ہونے والے اعتراضات کا تجزیہ وغیرہ شامل ہیں۔

چند معاصر مذاہب کا تعارفی مطالعہ

محاضرات: مولانا زاہد الراشدی۔صفحات: 160۔طباعت: عمدہ کارڈ کور۔ ملنے کا پتا: الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ۔

ہمارے مدارس میں سالانہ چھٹیوں کے دوران مختلف طرح کے کورسز ہوتے ہیں جن میں سے ایک ''تقابل ادیان'' کا کورس بھی ہے۔اس میں مختلف مذاہب کا تعارف اور ان سے اسلام کا امتیاز بیان کیا جاتا ہے۔زیر نظر کتاب مولانا زاہد الراشدی صاحب زید مجدہم کے ان محاضرات کا مجموعہ ہے جو انہوں نے مندرجہ بالا عنوان پر دیے۔حضرت راشدی صاحب نے اپنے محاضرات میں نہایت سہل انداز میں، یہودیت، عیسائیت، ہندومت، سکھ مت، بدھ مت، ذکری مذہب، بہائی مذہب، قادیانیت وغیرہ کے حوالے سے نہایت اہم اور معلومات آفریں خطابات کیے۔اس نوع کے تمام خطابات کو کتابی شکل میں جمع کر دیا گیا ہے۔جو احباب تقابل ادیان کے موضوع سے دلچسپی رکھتے ہیں، ان کے لیے بے حد نافع ہیں۔

تجلیاتِ قرآن

مرتب: مولانا منیر احمد منور۔صفحات: 288 .طباعت: مناسب۔ ملنے کا پتا: مکتبہ عشرہ مبشرہ، غزنی اسٹریٹ، اردو بازار لاہور۔رابطہ نمبر: 0333 1450412

اس کتاب میں قرآن کریم کا مختلف انداز میں عارف کرایا گیا ہے، مثلاً: انقلاب قرآن، برکت قرآن، اعجاز قرآن، تلاوت قرآن، عظمت قرآن، قرآن اور صاحب قرآن؛ جیسے عنوانات پر معلومات، واقعات مرتب کیے گئے ہیں، اسلوب خطیبانہ ہے، مثلاً قرآن پاک کے متعلق لکھا ہے کہ: اس کو حافظ پڑھے گا، اس کو قاری پڑھے گا، اس کو استاد پڑھے گا، اس کو شاگرد پڑھے گا، اس کو بچہ پڑھے گا، اس کو بڑا پڑھے گا، اس کو مرد پڑھے گا، اس کو عورت پڑھے گی وغیرہ؛ اس نوعیت کے ۴۹ جملے لکھے ہیں۔ پوری کتاب میں اس نوعیت کے حیرت انگیز جملے جا بجا ملیں گے۔ نوآموز خطیبوں کے لیے یہ کتاب شاید مناسب رہے۔

احسن الکلام فی حدیث خیر الانام

تالیف: محمد افضل۔صفحات: 240۔ ملنے کا پتا: مکتبہ الفیصل جامع مسجد ذوالنورین مظفر آباد پرانا چنیوٹ روڈ جھنگ صدر۔

یہ کتاب فن حدیث سے متعلق ہے۔اس میں حدیث کی انواع، ان کی تعریفات، روایات کے متعلق جامع مواد پیش

کیا گیا ہے۔ فاضل مولف کے تعارف سے ہم نابلد ہیں۔ البتہ کتاب کی ورق گردانی محسوس ہوا کہ یہ کتاب حدیث کے طلبہ کے لیے مفید ثابت ہوسکتی ہے۔

برکات حسان (مجموعہ حمد ونعت)

مولانا اصغر علی۔ صفحات: 224۔ طباعت: عمدہ۔ ملنے کا پتا: حسان نعت اکیڈمی، جامع مسجد بلال سندھیاں مری۔ رابطہ نمبر: 0321-5471109

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح ونعت کی توفیق مل جانا باعث فخر بات ہے۔ مولانا اصغر علی صاحب عشق رسالت مآب میں ڈوب کر جب نعت کہتے ہیں تو سننے والا بھی عشق رسول میں ڈوب ڈوب جاتا ہے۔ زیر نظر کتاب ''برکات حسان'' مولانا کا جدید نعتیہ مجموعہ ہے۔ اس سے قبل بھی ان کی نعتوں کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ معروف شاعر جناب سلمان گیلانی صاحب نے اس مجموعہ نعت پر اپنی رائے دیتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''مولانا اصغر علی صاحب زود گو شاعر ہیں۔ سیرت وتاریخ پر ان کی گہری نظر ہے۔ یہ اپنے مضامین میں نعت، منقبت میں اس گہرے مطالعہ کی مدد سے جب الفاظ کے موتی پروتے ہیں تو ماشاء اللہ قاری اور سامع پر بہت گہرے نقوش چھوڑتے ہیں۔'' ایک صاحب فن کی رائے کے بعد ہم صرف کہیں گے کہ جو حضرات نعت ومنقبت سے شغف رکھتے ہوں وہ اس مجموعے سے ضرور حظ اٹھائیں۔

بیماریوں سے شفا اور صحت

تالیف: مولانا محمد حنیف بن عبدالمجید۔ صفحات: 368۔ طباعت: عمدہ۔ کلرڈ۔ ملنے کا پتا: بیت العلم اردو بازار کراچی۔ رابطہ نمبر 0322-2583199

انسان کو اللہ تعالیٰ نے جہاں صحت جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی ہے وہیں کبھی کبھی مرض بھی لاحق ہوجاتا ہے۔ مومن کے حق میں تو بیماری اور مرض بھی ایک نعمت ہے، بشرطیکہ اس بات کا استحضار ہو کہ بیماری کو نعمت کیسے بنایا جاسکتا ہے؟ مولانا محمد حنیف عبدالمجید جید عالم دین اور استاذ ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین مصنف بھی ہیں۔ اب تک ان کی بیسیوں کتابیں مختلف اور متنوع موضوعات پر آچکی ہیں۔ ان تمام کتابوں کا محور 'دینی معاشرت' ہے۔

دُکھ بیماری ہر انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ بیماری کے اس عرصے کو کس طرح گزارنا ہے؟ ہمارا دین اس سلسلے میں کیا ہدایات اور رہنمائی دیتا ہے؟! انہی سوالوں کے جواب اس کتاب میں دیے گئے ہیں۔ اس کتاب میں مسنون دعاؤں کے ساتھ ساتھ حصولِ صحت کے آداب ورعایات اور طریقے بھی ذہن نشین کرائے گئے ہیں۔ کتاب مجموعی طور پر بہت مفید ہے۔ ہماری رائے میں اس کتاب کی اسپتالوں، شفاخانوں اور میڈیکل اسٹورز پر دستیابی نہایت مفید ثابت ہوگی۔

مدرسہ: وہ قطعۂ بہشت، زیارت گاہِ ملائک

محمد فہیم الدین بجنوری

عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور سے کسی نے دریافت کیا کہ اس شان کی جہاں بانی کے بعد بھی آپ کسی لذت کو مس کرتے ہیں؟ بادشاہ نے جواب دیا کہ ہاں ایک حسرت ہے کہ میں چبوترے پر بیٹھتا اور طلبۂ دورۂ حدیث حلقہ گیر ہوتے، یہ سننا تھا کہ مصاحبین اور وزراء زادے دوات ودفاتر کے ساتھ گھیرا بنا کر بیٹھ گئے، ابومنصور جہاں دیدہ تھا، اس نے کھری تشریح کرتے ہوئے کہا:

آپ طالبِ علم نہیں ہیں، طلبہ تو بوسیدہ لباس، شگاف دار پاؤں والے، گیسو دراز، آفاق گرد اور سفیرانِ حدیث نبوی ہوتے ہیں:

قيل للمنصُور مرة: »هل بقي من لذات الدنيا شيء لم تنله؟ فأجاب: »بقيت خصلة، ان اقعد في مصطبة وحولي اصحاب الحديث، وحين جاء إليه النُّدماء وابناء الوزراء بالمحابر والدفاتر، قال المنصُور: لستم بهم، إنما هم الدِّنِسةُ ثيابهم، المُشقَّقة ارجلهم، الطويلة شعورهم، بُرُدُ الآفاق، ونقلة الحديث۔ (تاریخ الخلفاء)

سورۂ اسراء میں فجر کی قراءت کو متبرک وقت اور لمحۂ زیارت قرار دیا گیا ہے: إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا (اسراء) مفسرین نے یہاں نمازِ فجر مراد لی ہے؛ لیکن ظاہر ہے کہ "قرآن" کے راست معنیٰ تو تلاوت ہی کے ہیں، یعنی فجر کے وقت تلاوت میں محور ہے، خواہ نماز کے ضمن میں ہو یا خارجِ نماز، نیز اگر کسی کو نماز پر اصرار ہے تو بھی یہاں دو نکتے ابھرتے ہیں: ایک تلاوت کی اہمیت؛ کیوں کہ نماز کو کنایہ کرنے کے لیے ارکانِ نماز میں سے خاص تلاوت ہی کا انتخاب ہوا، دوسرے فجر کے وقت کی خصوصیت۔ اس سیاق سے یہ نتیجہ نکلا کہ فجر کے وقت کی تلاوت فرشتوں کے لیے مرکزی مقناطیس ہے، اس طرح مدارسِ حفظِ قرآن فرشتوں کی دل چسپی کے مراکز اور ان کی ارادت کے اوّلین حرم ہیں، جہاں طلبہ کو تہجد کے وقت بیدار کر دیا جاتا ہے اور وہ نمازِ فجر تک تلاوتِ قرآن کا ایک دور مکمل کر لیتے ہیں۔ قرآن کریم سے صبح نو کا خیر مقدم کرنے والے یہ بچے اور یہ درس گاہیں آسمان والوں کے لیے قابلِ رشک ہیں، یہ مدارس نجوم ارض ہیں، افلاک ان کی نظر اتارتے ہیں، آفتاب وماہتاب ان کی بلائیں لیتے ہیں، یہی مدارس قطعۂ بہشت ہیں اور زیارت گاہِ ملائک ہیں۔

راقم نے آیت کریمہ کی دلکشی کو دیکھتے ہوے یہ زور صرف کیا، ورنہ ترمذی وغیرہ کی روایت میں یہی مضمون بہ تصریح آیا ہے، فرماتے ہیں کہ یہ قدسی مخلوق اپنے پروں کو سرنگوں کرتے ہوے ان مدارس اور اہل مدارس کو خراج تحسین پیش کرتی ہے۔

ناچیز تدریس سے سبک دوش ہونے کے بعد خوردن وخفتن تک محدود تھا؛ لیکن میری اس کاہلی کی شامت بہت جلد آ گئی، بڑے فرزند نے اول ودوم کی تعلیم دارالعلوم دیوبند میں بطور سماعت مکمل کی تھی، ریگولر عصری تعلیم کی رفاقت کے لیے داخلے سے گریز کیا تھا، سالِ رواں اس کو بی اے کی ریگولر تعلیم کے ساتھ سالِ سوم درپیش تھا، میری خانماں خرابی اور بدنصیبی کی وجہ سے وہ بھی دیارِ علم سے دُور میری معیت میں ہے۔ میرا بڑا بیٹا بہت ذہین ہے اور پڑھائی کے باب میں ناچیز کا آئینہ ہے۔ وقت کے ساتھ کاروانِ تعلیم آگے بڑھ رہا تھا، کوئی متبادل دست یاب نہیں تھا، آخرش بیٹے کی محبت نے آرام طلب اور کام چور باپ کو یکلخت اٹھا کر بٹھا دیا اور چشم زدن میں ناچیز کا کمرہ ''مدرسۂ فہیم'' میں تبدیل ہوا اور میں نے سالِ سوم کی تمام کتابوں کی بسم اللہ کرادی۔

اب صورت حال یہ ہے کہ ایک مدرس اور ایک طالب علم پر مشتمل یہ بزم درس پورے رنگ وشباب پر ہے، بیٹے کی وجہ سے دل وجان مصروف عمل ہیں، گہوارۂ علم وفن سے دُور اسے سیون سٹار سروس فراہم ہوگئی ہے؛ مگر بندے کو خلیفہ ابوجعفر منصور کی فیلنگ گھیرے رہتی ہے، کام گو کہ سوا سیر ہے؛ لیکن کہاں مدرسے کے انوار اور کہاں یہ ظلمتیں! نہ میں مدرس ہوں نہ وہ طالبِ علم! مدرسہ تو بقعۂ نور ہے، وہ قرآن وحدیث کے زمزمے، فرشتوں کے بوسے، برکتوں کی بارشیں، خدائے برتر کے فخریہ حوالے، مطالعہ وتکرار کی ہمہمی، نمازوں کی آمد ورفت، عصر کی اذان کے مژدے، جمعرات کی رہائی، راتوں کی کتب بینی، سحر کے نالے، درس گاہوں کی تجلیاں، خشک اسباق میں قید صیاد کے احساسات، شگفتہ دروس میں آزاد بلبلوں والی چہک۔

غرض! کیا کہیں اور کیا نہ کہیں! کس زخم کو سی لیں اور کسے آشکار چھوڑیں! میں نے اللہ رب العزت کا پتہ قرآن میں تلاش کیا تو مدارس کے حوالے ملے، وہ کہتے ہیں کہ ان مدرسوں کا فیض نہ ہوتا تو اے انسانو! ہم تمھیں گھاس بھی نہ ڈالتے، یہی مدارس ہیں جن کے دوش پر کائنات کا زمانی سفر جاری وساری ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ جس دن وہ بساط لپیٹنے کا فیصلہ فرمائیں گے مدارس کا یہ نور قدرتی طور پر بجھ جائے گا۔